بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادران اسلام! یہ بات بلا شک حق ہے کہ دین اسلام حق اور کامل ہے۔ نبی معصوم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی تکمیل کا اعلان فرمایا۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور آنحضرت ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر استقامت اور اس کی اشاعت کی توفیق نصیب فرمائیں۔

واسطہ امت:

یہ بات بھی یقینی ہے کہ دین برحق اور کامل، نبی اقدس ﷺ سے ہم تک بواسطہ امت ہی پہنچا۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ امت کا کوئی فرد بھی معصوم نہیں البتہ فرمان رسول معصوم ﷺ کے مطابق آپ ﷺ کی امت کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے، اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ نبی معصوم ﷺ کے دین کا جو حصہ اجماع معصوم کے واسطہ سے ہم تک پہنچا وہ نہایت یقینی اور حجت قاطعہ ہے، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیونکہ معصوم نبی کا طریقہ معصوم ہی واسطہ سے امت تک پہنچ گیا، ایسے مسائل کو متواتر کہتے ہیں۔

اقسام تواتر:

اس تواتر کی علماء چار قسمیں بیان فرماتے ہیں:

(۱) تواتر طبقہ:

دین کا وہ حصہ جو عوام وخاص کے تواتر سے ہم تک پہنچا ہو جیسے قرآن پاک کا تواتر کہ ساری دنیا کے عوام وخاص مسلمان اسی قرآن کی تلاوت کرتے آرہے ہیں۔ یہ سینہ اور سفینہ میں متواتر ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا دعویٰ نبوت، آپ ﷺ کا خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہونا وغیرہ، ایسے عقائد کو ضروریات دین کہتے ہیں۔ ان تمام ضروریات دین کو اسی مفہوم کے مطابق ماننا جس طرح پوری امت مانتی آرہی ہے ایمان ہے اور ان میں کسی ایک کا انکار یا تاویل باطل کفر ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ میں پانچ نمازوں کو فرض نہیں مانتا وہ کافر ہے اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نمازوں کو فرض تو مانتا ہوں مگر نماز سے مراد وہ نماز نہیں ہے جو سب مسلمان پڑھتے ہیں بلکہ نماز سے صرف اللہ کو دل میں یاد کرنا مراد ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی اس آیت کا انکار کفر ہے جس میں اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے اسی طرح اس آیت کی یہ باطل تاویل کہ اللہ ورسول ﷺ سے مراد مرکزِ ملت یا مرکزی حکومت ہے اور اولی الامر سے مراد افسران ماتحت ہیں بھی کفر ہے۔ ساری امت خاتم النبیین کا معنی آخری نبی کرتی آرہی ہے لیکن مرزا قادیانی نے اس کا معنی نیا تراش کرلیا کہ آپ کے پاس مہر نبوت تھی جس کو چاہتے مہر لگا کر نبی بنا سکتے تھے۔ جس طرح آیت خاتم النبیین کا انکار کفر ہے اسی طرح مرزا کی یہ تاویل باطل بھی کفر ہے اور پرویز کی یہ تاویل باطل کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعے رونما ہوا کرے گا اور انسانی معاشرے کی باگ دوڑ اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی (سلیم کے نام ص۲۵۰ پرویز) یہ مراد بھی یقیناً کفر ہے۔ جس طرح رسول ﷺ پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت بھی ضروریات دین میں سے ہے، جس طرح یہ کہنا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ ﷺ پر ایمان ضروری نہیں یہ کفر ہے اسی طرح یہ کہنا کہ آپ ﷺ

کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی اطاعت فرض نہیں اس کے کفر ہونے میں بھی کوئی شک نہیں اور اس سے بڑھ کر کفر یہ ہے کہ آپ کے وصال کے بعد اب رسول سے مراد مرکزی حکومت ہے، اس لئے مرکزی حکومت کی اطاعت تو فرض ہے مگر آنحضرت ﷺ کی اطاعت فرض نہیں رہی۔ آپ کی معاذ اللہ نہ حیثیتِ رسالت باقی رہی اور نہ ہی حیثیتِ امارت۔ مرکزی حکومت کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے حکم کے سامنے آپ ﷺ کے احکامِ رسالت اور احکامِ امارت سب ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہیں۔ یاد رہے پرویز کی یہ تقسیم بھی کفر ہے کہ آپ حیاتِ پاک میں بھی کسی وقت رسول ہوتے تھے، کسی وقت امیر اور کسی وقت نہ رسول نہ امیر۔ مثلاً جب آپ قرآن پاک کی یہ آیت سناتے اقیمو االصلوۃ تو آپ رسول ہوتے اور جب آپ نماز کا حکم نافذ فرماتے تو آپ امیر ہوتے اور جب آپ نماز ادا فرماتے تو اس وقت نہ رسول ہوتے اور نہ ہی امیر۔ جس طرح نماز کا انکار کفر ہے اسی طرح نماز کے بارے میں پرویز کا یہ عقیدہ رکھنا کہ اگر جانشین رسول (مرکزی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہے (قرآنی فیصلہ ص۱۵ پرویز) یعنی پانچ نمازوں کی صراحت قرآن میں نہیں ہے ان کو دو یا ایک کرنے کا حکومت کو اختیار ہے، رکعات نماز کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے، ان میں ردوبدل کا اختیار حکومت کو ہے۔ جب ہر زمانے اور ہر ملک کی حکومت کو یہ اختیار ہے تو ہر زمانے کا اسلام الگ الگ بلکہ ایک ہی زمانے میں ہر ملک کا اسلام الگ الگ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کفریات سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے جو پوری ڈھٹائی سے طلوع اسلام کے نام سے پھیلائے جا رہے ہیں۔

نوٹ: پرویز جس مرکزی حکومت کی اطاعت کو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت قرار دیتا ہے اس کی کوئی مثبت تعریف تو وہ نہیں کر سکا البتہ منفی پہلو بیان کئے ہیں کہ اس میں نہ فرعون ہو، نہ ہامان ہو، نہ قارون اور پھر فرعون سے مراد ملوکیت، قارون سے مراد سرمایہ داری اور ہامان سے مراد مذہبی پیشوائیت لیتا ہے (قیام پاکستان اور اقبال ص ۹،۸)

یعنی اس حکومت کی شرط یہ ہے کہ علماء کرام اور صوفیاء عظام سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے ان کو کچلنے والی ہو بلکہ یوں کہو کہ اس میں لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے کلمہ اسلام یوں ہوگا لا الہ الا اللہ مرکز ملت رسول اللہ۔ جب رسول کی ہی ضرورت باقی نہ رہی تو مذہبی پیشواؤں کی کیا ضرورت جو اسلام کو اسلام کہیں وہاں تو پرویز کی ضرورت ہوگی جو کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر ثابت کر دکھائے۔

تواتر خاص:

پہلا تواتر تو ایسا عام تھا کہ اس میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے سب فرقے شریک تھے بلکہ وہ کافر جو مسلمانوں میں آباد تھے وہ ہر زمانے میں جانتے رہے ہیں کہ مسلمان قرآن پاک کو آخری کتاب، حضور پاک ﷺ کو آخری نبی اور دن رات میں پانچ نمازوں کو فرض جانتے ہیں، سال میں ماہ رمضان کے روزے، مال دار کو چالیس فیصد زکوۃ اور صاحب استطاعت کے لئے زندگی میں ایک دفعہ حج فرض ہے، اس کے لئے کچھ متواترات وہ ہیں جو دائرۂ اہل السنت والجماعت میں ہیں۔

(۲) تواتر تعامل:

وہ روزمرہ کے عملی مسائل جو آنحضرت ﷺ سے لے کر آج تک اہل السنت والجماعت میں عملاً متواتر چلے آ رہے ہیں مثلاً وضو کا طریقہ، نماز کا یہ خاص طریقہ، دوا، علاج، تعویذات، میت کا غسل، کفن، دفن، قبور پر سلام کہنا، توسل اور تقلید وغیرہ اس کو تواتر فقہاء بھی کہتے ہیں۔

(۳) تواتر اسنادی:

وہ احادیث جن کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے والے کو عقل سلیم محال جانے اس کو تواتر محدثین بھی کہتے ہیں جیسے آنحضرت

ﷺ کا یہ فرمان کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالیا وغیرہ۔

تواتر معنوی یا تواتر قدر مشترک:

اگر چہ الگ الگ احادیث آحاد ہوں مگر ان میں قدر مشترک ایک یقینی بات نکل آئے جیسے پہلی تکبیر کی رفع یدین، حیات مسیح، اکثر معجزات، کرامات، معراج، اعادۂ روح فی القبر، سوال و جواب قبر، عذاب وثواب قبر، زیارت قبور، حیات انبیاء علیہم السلام فی القبور وغیرہ ان مسائل کو ضروریات اہل السنت کہتے ہیں۔ ان مسائل کو اسی مفہوم کے مطابق ماننا جس طرح اہل السنت مانتے ہیں فرقہ ناجیہ اہل السنت کے لئے ضروری ہے۔ اور ان میں سے کسی کا انکار باطل تاویل کرنے سے انسان اہل السنت سے نکل کر اہل بدعت میں شریک ہو جاتا ہے۔ یہ مسائل جو کسی قسم کے تواتر سے ثابت ہیں ان کی مثال سورج کی سی ہے اور جو مسائل شہرت سے ثابت ہیں کہ زمانہ صحابہ ؓ میں اگر چہ آحاد ہوں مگر زمانہ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں شہرت کو پہنچ گئے ان کی مثال چودھویں رات کے چاند کی سی ہے، نہ سورج گواہی کا محتاج ہے، نہ بدر کامل اس لئے یہ مسائل سند کے محتاج نہیں ہوتے اور فنِ جرح وتعدیل کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مسائل تیسرا حصہ:

ثبوت کے اعتبار سے کچھ عقائد ضروریات دین کے درجہ میں ثابت ہیں جن میں سے کسی ایک کے انکار یا باطل تاویل سے انسان دین سے ہی نکل جاتا ہے۔ کچھ عقائد و اعمال ضروریات اہل السنت والجماعت کے درجہ میں ہیں جن کی آسان پہچان یہ ہے کہ ان پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو۔ جس طرح قرأت قرآن میں ساتوں قاریوں کا اتفاق صحابہ ؓ کے اتفاق پر اور ساتوں قاریوں کا اختلاف صحابہ ؓ کے اختلاف پر دلالت کرتا ہے اسی طرح فروعی مسائل میں ائمہ اربعہ کا اتفاق صحابہ کرام ؓ کے اتفاق پر دال ہے اور ائمہ اربعہؒ کا اختلاف صحابہ کرام ؓ کے اختلاف پر، ہاں بعض عملی مسائل جو کبھی کبھار پیش آتے

ہیں ان کا ثبوت اخبار آحاد سے ہے ان مسائل کا حال پہلی رات کے چاند کا سا ہے کسی ملک میں سب کو نظر آیا، کسی علاقے میں کسی کو بھی نظر نہ آیا اور کسی علاقے میں صرف ایک دو کو نظر آیا۔ جس علاقہ میں سب کو نظر آ گیا وہاں گواہوں کی تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہاں ایک دو کو نظر آیا تو ان گواہوں کی توثیق وتعدیل دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ عادل نکلے تو چاند کا ثبوت ہو جائے گا اور اگر وہ عادل نہ نکلے تو چاند کا ثبوت نہیں ہوگا۔

جرح وتعدیل کا مرجع:

امام بیہقیؒ نے اس بات پر باب باندھا ہے کہ معرفت و پہچان میں کن کی طرف رجوع کیا جائے اور اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث لائے ہیں کہ ایک مرد نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کیسے جانوں کہ میں اچھائی کر رہا ہوں یا برائی۔ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو سنے کہ تیرے ہمسائے کہتے ہیں کہ تو اچھا کر رہا ہے تو تو نے اچھا کیا اور جب تو سنے کہ تیرے ہمسائے کہتے ہیں کہ تو نے برا کیا تو تو نے برا کیا۔ (سنن کبریٰ ص۱۲۵ ج۱۰) یہ ایک فطری اصول بھی ہے کہ کسی آدمی کے بارے میں صحیح اور جچی تلی رائے وہی لوگ دے سکتے ہیں جو اس کے شب و روز سے واقف ہوں اور اسکی سوسائٹی کو جانتے ہوں اس سے معلوم ہوا کہ اخبار آحاد کے راویوں کے بارے میں ان کے ہم عصر اور ہم علاقہ فقہاء اور محدثین کی رائے ہی صحیح سمجھی جائے گی۔ خیر القرون میں اسی پر عمل تھا موطا امام مالک کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام مالک صرف خبر واحد کے راویوں کو ہی نہیں دیکھتے تھے بلکہ فقہاء اہل مدینہ کے تعامل کو ساتھ ملا کر خبر واحد کے رد یا قبول کا فیصلہ فرماتے تھے۔ جس طرح امام مالک تعامل اہل مدینہ کا اسی لئے جا بجا ذکر فرماتے ہیں، اسی طرح موطا امام محمد کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اخبار آحاد کے رد و قبول میں فقہاء کوفہ کے تعامل کا ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اقدس ﷺ کے پاس

کھڑا تھا کہ ایک آدمی ہمارے پاس سے گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پوچھا عبداللہ تم اس آدمی کو پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ، آپ ﷺ نے پوچھا اس آدمی کا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھا اس کا مکان کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت میں نہیں جانتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تمہیں اس کی کوئی جان پہچان نہیں (بیہقی ص ۱۲۵ ر ج ۱۰) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی شہادت کے لئے پیش ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ کسی ایسے آدمی کو لاؤ جو تمہیں پہچانتا ہو۔ تو ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں اسے پہچانتا ہوں۔ پوچھا کیسے پہچانتے ہو؟ عرض کیا کہ اس کی عدالت اور بزرگی کو پہچانتا ہوں۔ پوچھا کیا وہ تیرا قریبی ہمسایہ ہے کہ تو اس کے رات دن اور اس کے مدخل اور مخرج کو پہچانتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تو نے کبھی اس کے ساتھ درہم و دینار کا لین دین کیا ہے جس سے تو اس کی نیکی کو پہچان گیا؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا یہ کسی سفر میں تیرا رفیق رہا ہے جس سے تجھے اس کے اچھے اخلاق کا علم ہوا ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر تو اس کو نہیں پہچانتا (بیہقی ص ۱۲۵ ر ج ۱۰) ان روایات سے بھی یہی ثابت ہوا کہ جرح و تعدیل ان لوگوں کی قبول ہوگی جو اس راوی کے ہمسائے ہوں۔ اس کے دن رات سے واقف ہوں، اس سے لین دین رکھتے ہوں، اس کے سفروں میں رفیق بنتے ہوں۔ اس لئے اہلِ مکہ کے لئے اہلِ مکہ کے علماء کی رائے قابل قبول ہوگی تو اہلِ مدینہ کے لئے اہلِ مدینہ کے علماء کی، اہلِ کوفہ کے لئے اہلِ کوفہ کے فقہاء کی۔ اسی لئے سید امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی اصول تھا۔ امام حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ناسخ اور منسوخ کی بہت زبردست تحقیق فرماتے تھے۔ جب حدیث نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل فرماتے۔ امام صاحبؒ اہلِ کوفہ کی حدیث اور اہلِ کوفہ کی فقہ کو خوب پہچانتے تھے اور (حدیث اور فقہ کے بارے میں) اپنے شہر کے اہلِ فن لوگوں کی سختی سے اتباع کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح کتاب اللہ میں ناسخ منسوخ ہے اسی طرح حدیث رسول اللہ میں بھی ناسخ منسوخ ہے اور آنحضرت ﷺ کے آخری دور کے افعال مبارکہ جن پر آپ کا وصال ہوا ان کے خوب حافظ تھے جو

آپ کو اپنے شہر کے (اہل علم کے) ذریعہ پہنچے تھے (مناقب صیمری ص۱۱) معلوم ہوا کہ امام اعظم ہر فن میں اپنے شہر کے اہل فن کی اجماعی رائے کا بہت احترام فرماتے اور پوری کوشش سے اسی کی اتباع فرماتے۔

امام یحییٰ بن ضریس فرماتے ہیں کہ میں امام سفیان ثوری کے پاس تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے امام سفیان سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟ امام سفیان نے پوچھا کہ ان کے بارے میں تو کیا جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میں پہلے مسئلہ کتاب اللہ سے لیتا ہوں اور جو نہ ملے وہ سنت رسول اللہ ﷺ سے لیتا ہوں بشرطیکہ وہ صحیح ہو اور پوری تحقیق کے ساتھ ثقات در ثقات کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہو اور اگر سنت میں بھی نہ ملے تو میں صحابہ کرام ؓ کے قول کو اختیار کرتا ہوں، ہاں جب معاملہ امام ابراہیم نخعیؒ، امام شعبیؒ، امام حسن بصریؒ اور امام عطاءؒ تک پہنچ جائے تو میں خود اجتہاد کرتا ہوں جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔

جامعیت:

اپنے علاقے کے تعامل پر حدیث کے رد وقبول کا مدار رکھنا اس کو تلقی بالقبول کہتے ہیں۔ فقہاء کے ہاں اکثر مدار اسی پر ہوتا ہے اور سند پر صحت وضعف کا مدار رکھنا محدثین کا انداز ہے، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ جس طرح فقہ کے مسلّم امام تھے اسی طرح حدیث کے بھی مسلّم امام تھے اس جامعیت کی وجہ سے وہ دونوں باتوں کے جامع تھے۔ وہ سند کی صحت کے ساتھ تلقی بالقبول کا بھی پورا خیال رکھتے تھے، یہی حال قاضی ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام مالکؒ کا تھا۔ صاحب نور الانوار فرماتے ہیں: ''مذکورہ بالا خبریں اگرچہ آحاد ہیں لیکن چونکہ امت نے ان کو پوری خوش دلی سے قبول کرلیا ہے اس لئے مشہور کے درجے میں ہوگئی ہیں'' (ص۲۵۹)

جرح:

راوی میں بنیادی طور پر دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے۔ ایک یہ کہ وہ عادل ہو، دوسرا یہ کہ وہ حافظ ہو اس لئے راوی جب ہی مجروح قرار پائے گا جب یہ ثابت کردیا جائے

کہ وہ عادل نہیں ہے فاسق ہے یا یہ کہ اس کا حافظہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے امام نسفیؒ فرماتے ہیں: ''اور ہمارے یہاں ائمہ حدیث کا طعن مبہم راوی کو مجروح نہیں کرتا (مثلاً اس طور پر کہے کہ یہ حدیث مجروح ہے یا یہ منکر ہے یا ان جیسے دوسرے لفظوں سے کہے لہٰذا اس حدیث پر عمل کیا جائے گا) مگر جب اس طعن کی تفسیر اس طرح کی جائے جو بالاتفاق جرح ہو (یعنی اس میں کوئی اختلاف کرنے والا نہیں ہے۔ اس طور پر کہ بعض کے نزدیک جرح ہو اور بعض کے نزدیک جرح نہ ہو) اور وہ ایسے شخص سے صادر ہو جو دین کی خیر خواہی میں مشغول ہو اور متعصب نہ ہو۔ چنانچہ ان امور ذیل سے طعن قبول نہ کیا جائے گا تدلیس سے، تلبیس سے، ارسال سے، چوپایہ دوڑانے سے، مزاح کرنے سے، کمسن ہونے سے، روایت کرنے کے عادی نہ ہونے سے اور مسائل فقہ کو کثرت سے بیان کرنے سے'' (ص ۲۷۶) یعنی ان وجوہات سے راوی یا حدیث ضعیف نہ ہوگی۔

اقسام رواۃ:

جس طرح پانی دو قسم پر ہے قلیل اور کثیر۔ قلیل پانی جو ایک بالٹی میں ہو وہ ایک قطرہ پیشاب گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے مگر کثیر پانی مثلاً دریا یا سمندر میں دس بالٹیاں بھی پیشاب کی ڈال دو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اسی طرح راوی دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کی امامت اور عدالت امت میں مسلّم ہے ان کی مثال سمندر کی سی ہے، ایسے راوی جرح مفسر سے بھی مجروح نہیں ہوتے کیونکہ ان کی شہرت کے مقابلہ میں یہ جرح شاذ ہے جیسے امام بخاری کو ان کے اساتذہ امام ابوزرعہ اور ابوحاتم نے متروک قرار دیا مگر ان کی مسلّمہ امامت کی وجہ سے جمہور نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اگرچہ مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے امام بخاری کی سند سے کوئی حدیث نہیں لی۔ دوسرے عام راوی ہیں ان کی مثال قلیل پانی کی ہے ان پر کوئی ایسا فسق ثابت کر دیا جائے جس کا گناہ ہونا امت میں متفق علیہ ہو تو اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائے گا یا یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس کا حافظہ اتنا کمزور تھا کہ وہ حدیث یاد نہیں رکھ

سکتا تھا تو بھی اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اسی طرح اسباب جرح بھی دو قسم کے ہیں متفق علیہ اور مختلف فیہ۔

اقسام جارحین:

بعض جارح متشدد ہوتے ہیں جو معمولی باتوں پر جرح کر دیتے ہیں۔ بعض متعنت ہوتے ہیں جو مختلف فیہ اسباب سے بھی ایسی سخت جرحیں کر جاتے ہیں جو متفق علیہ اسباب پر ہوتی ہیں اور بعض معتدل ہوتے ہیں جو صرف متفق علیہ سبب جرح ثابت ہونے پر ہی جرح کرتے ہیں اور بعض متعصب ہوتے ہیں جو اپنے مذہب والوں سے درگزر کرتے ہیں مگر مخالف مذہب والوں پر جرح میں بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ اس لئے جرح میں تین باتوں کا خاص خیال رکھا جائے گا۔

(۱) جس راوی پر جرح ہو رہی ہے وہ مشہور امام نہ ہو۔

(۲) سبب جرح مفسر ثابت کرے اور وہ سبب متفق علیہ ہو۔

(۳) جارح ناصح ہو، نہ متشدد ہو، نہ متعنت ہو، نہ ہی متعصب ہو۔ اب ائمہ جرح وتعدیل کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)............امام اعظمؒ کوفی (۱۵۰ھ): آپ نہایت ناصح تھے، آپ سے ایک بھی جرح کا ایسا قول ثابت نہیں کیا جا سکتا جس میں تشدد، تعنت یا تعصب کی بو ہو۔

(۲)............امام شعبہ بن الحجاجؒ بصری (۱۶۰ھ)

(۳)............امام سفیان بن سعید ثوریؒ کوفی (۱۶۱ھ): ان میں شعبہ بہت متشدد تھے اور سفیان معتدل تھے اگر چہ ابتداء میں امام صاحب سے کچھ معاصرانہ چشمک رہی۔ امام عبد اللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ کا اتفاق ہو جائے تو کون ان کے سامنے ٹھہر سکتا ہے (مناقب صیمری ص ۱۳۵) یاد رہے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے، ترک قرأت خلف الامام، آہستہ آمین اور تحریمہ کے بعد ترک رفع

یدین پر امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ دونوں کا اتفاق ہے۔

(۴)..........یحییٰ بن سعید القطانؒ بصری (۱۹۸ھ): علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ متعنت تھے (میزان الاعتدال ص ۱۷۱، ۲۵۲ رج ۲)

(۵)..........امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ بصری (۱۹۸ھ): کبھی احادیث کو ضعیف کہہ دیتے۔ پھر فرماتے یہ راوی قیامت کو مجھ سے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس ہمارے ضعف کی کیا دلیل تھی تو میں کیا کہوں گا، پھر ان کو صحیح قرار دے دیتے۔ (فقہ اہل العراق ص ۸۶ بحوالہ قوت القلوب)

(۶)..........علی بن عبداللہ المدینیؒ بصری (۲۳۴ھ): امام سفیانؒ ان کو حیة الوادی کہتے تھے۔ مسئلہ خلق قرآن میں معتزلہ کا ساتھ دیا۔ کبھی سنی کہلاتے کبھی شیعہ۔ (میزان الاعتدال)

(۷)..........امام یحییٰ بن معینؒ بغدادی (۲۳۳ھ): انہوں نے دس لاکھ احادیث اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ اتنے بڑے محدث ہو کر بھی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے لیکن جرح میں بہت متشدد تھے۔ (الرفع والتکمیل ص ۱۸۷)

(۸)..........امام احمد بن حنبلؒ: مزاجاً معتدل تھے مگر فتنہ خلق قرآن کی آزمائش میں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر جن قاضیوں نے تشدد کیا وہ عقیدتاً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے اس لئے فطری طور پر آپ کا دل اہل کوفہ سے بہت رنجیدہ تھا اس لئے اہل کوفہ کے بارے میں وہ متشدد تھے اگرچہ آخر عمر میں یہ تشدد باقی نہ رہا مگر پہلے اقوال بھی کتابوں میں درج ہیں۔ اس کے باوجود اس حقیقت کا برملا اعتراف فرماتے ''کہ کسی مسئلے میں تین ائمہ کا اتفاق ہو جائے تو ان کے خلاف کسی کی بات نہیں سنی جائے گی۔ آپ سے پوچھا گیا وہ تین امام کون ہیں؟ فرمایا امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ۔ فرمایا امام ابوحنیفہؒ قیاس میں سب سے زیادہ بصیرت کے مالک تھے۔ امام ابو یوسفؒ اس زمانہ کے لوگوں میں حدیث میں سب سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے اور امام محمدؒ لغت عرب میں سب سے زیادہ اہل بصیرت تھے (التعلیق الممجد ص ۳۰)۔ بات بھی ظاہر ہے کہ جب ہر فن کے سپیشلسٹ موجود ہوں تو ان کی مخالفت کی تاب کون لا سکتا ہے۔

(۹)..........الجوز جانی دمشقی (۲۵۹ھ) : آپ خارجی تھے "حضرت علی ﷺ کی شدید مخالفت کرتے اور ان سے سخت منحرف تھے۔" (تذکرۃ الحفاظ) اس لئے جو راوی بھی فضائل اہل بیت رسول میں کچھ روایت کرتا ہے اسے رافضی شاتم کیا کچھ نہ کہہ جاتے تھے عبدالرزاقؒ اوران جیسے بڑے محدثین کو شیعوں میں شمار کرڈالتے تھے۔

(۱۰)............امام محمد بن اسماعیل البخاری الشافعیؒ (۲۵۶ھ) : آپ نے اسماء الرجال پر التاریخ الکبیر تحریر فرمائی۔ آپ کے استاذ حدیث امام ابو حاتم رازی اس پر مطمئن نہیں تھے انہوں نے خطاء البخاری فی تاریخہ کے نام سے اس کی سینکڑوں غلطیوں کی نشاندہی فرمائی، اس تاریخ میں امام بخاریؒ نے نعیم بن حماد کی روایت پر بہت اعتماد فرمایا جس کے بارے میں حافظ ابو بشر الدولابیؒ نقل کرتے ہیں کہ "سنت کی تقویت کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا اور امام ابوحنیفہؒ کی عیب جوئی کے لئے جھوٹی حکایات گھڑتا تھا اور یہی بات اس کے بارے میں ابو الفتح نے کہی ہے (تہذیب التھذیب ص ۴۶۲، ۴۶۳ ج ۱۰) اور الحافظ العباس بن مصعب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ نعیم بن حماد نے احناف کے رد میں کئی کتابیں گھڑیں (میزان الاعتدال ص ۲۶۸، ج ۴) اس تاریخ میں امام بخاریؒ نے جس دوسرے راوی پر زیادہ اعتماد کیا ہے وہ عبداللہ بن زبیر حمیدی ہے جو احناف سے بہت تعصب رکھتا تھا اور اس کا مبلغ علم بقول خود یہ تھا۔ حمیدی کہتا ہے کہ ہم اہل ... رائے کے رد کا ارادہ کرتے لیکن ہمیں اس کا طریقہ نہ آتا تھا یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے اور ہمیں طریقہ بتایا (حلیۃ الاولیاء ص ۹۶، ج ۹) اسی حمیدی کے واسطے سے امام بخاری نے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کو حج کے مسائل نہ آتے تھے۔ اسی لئے شیخ کوثریؒ تانیب الخطیب ص ۳۶ میں حمیدی کے بارے میں فرماتے ہیں: "شدید التعصب وقاع" بہت متعصب اور الزام تراش تھا۔ تیسرا راوی جس پر خوب اعتماد کیا ہے وہ اسماعیل بن عرعرہ ہے اس کی تعدیل وتوثیق کہیں نہیں ملتی۔ حمیدی اور نعیم بن حماد کی صحبت اور موضوع روایات کا فطری نتیجہ تھا کہ امام بخاریؒ میں بھی احناف کے خلاف تعصب تھا۔ بعض اوقات تو ایسی باتیں فرما

جاتے جوان کے شایان شان نہ تھیں مثلاً تاریخ کی کتاب میں امام صاحب کے بارے میں یہاں تک تحریر فرما گئے کہ وہ خنزیر کو حلال سمجھتے تھے اور مسلمانوں کا قتل عام جائز قرار دیتے تھے۔ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ ایسی باتیں امام بخاری کی عظمت سے بہت فروتر ہیں اور نعیم بن حماد کی ایسی روایات بھی نقل فرما گئے کہ اسلام میں ابوحنیفہ جیسا منحوس کوئی پیدا نہیں ہوا، حالانکہ مشاہدہ اور تاریخ گواہ ہے کہ تقریباً ہر زمانہ میں دو تہائی اہلِ اسلام امام ابو حنیفہؒ کے مقلد رہے ہیں اور ان ہی کی رہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرتے رہے ہیں۔

(۱۱)............العجلیؒ طرابلسی (۲۶۱ھ) فتنہ خلق قرآن میں مغرب کی طرف بھاگ گئے تھے جرح وتعدیل پران کی کتاب ہے۔

(۱۲)..........امام ابوحاتم رازیؒ (۲۷۷ھ): حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۱ میں ان کو متعنت اور بذل الماعون ص ۱۷۹ پر ان کو متشدد لکھا ہے۔

(۱۳)............امام مسلم الشافعیؒ نیشاپوری (۲۶۱ھ): امام مسلم نے امام بخاری اور ابن المدینی کو مقدمہ مسلم میں بعض نے منتحلی الحدیث کہا ہے عموماً معتدل تھے۔

(۱۴)..........امام ابوداؤد حنبلیؒ بجستانی (۲۷۵ھ): جرح میں معتدل تھے، البتہ اپنے مذہب کی حمایت ایک فطری امر ہے، چونکہ اصحاب صحاح ستہ اور دیگر محدثین ائمہ اربعہ کے بعد ہوئے اس لئے جس امام کی طرف ان کا میلان ہوتا اس کی تائید ایک فطری امر تھا جس سے بچنا مشکل ہے۔

(۱۵)..........امام ترمذی شافعیؒ (۲۷۹ھ): آپ کی کتاب میں حدیث پر جرح وتعدیل کے ساتھ ساتھ تعامل فقہاء کا بھی تذکرہ ہے، بہت سے مقامات پر اپنے استاد امام بخاری سے علمی اختلاف کرتے ہیں۔

(۱۶)..........البزار الشافعی البصری (۲۹۷ھ): بہت بڑے حافظ حدیث تھے مگر کبھی غلطی بھی لگ جاتی جس سے انسان کا بچنا مشکل ہے۔

(۱۷)..........امام نسائی شافعیؒ خراسانی (۳۰۷ھ): حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ رجال کے

بارے میں متعنت تھے (میزان الاعتدال ص ۴۳۷/ ج ۱)

(۱۸)............الساجی الشافعی المصری (۳۰۷ھ): خود بھی مختلف فیہ تھے اکثر مجہول راویوں سے مناکیر روایت کرتے (فقہ اہل العراق ص ۸۷)

(۱۹)............ الطحاوی الحنفی المصری (۳۲۱ھ): نقد رجال میں بہت معتدل تھے، جامع بین الحدیث والفقہ تھے، ان کی کتابیں شرح معانی الآثار وغیرہ روایت و درایت کا مجمع البحرین ہیں۔

(۲۰)............ ابن ابی حاتم رازی متوفی (۳۲۷ھ): انہوں نے اپنی کتاب الجرح و التعدیل میں امام بخاری کو بھی متروک قرار دیا ہے۔

(۲۱)............العقیلی المکی الحشویؒ (۳۲۲ھ): جرح میں بہت متشدد تھے، ذہبی نے میزان الاعتدال ص ۱۴۰/ ج ۳ پر ان کی خوب خبر لی ہے۔

(۲۲)............ابن حبان خراسانی (۳۵۴ھ): یہ اپنوں سے متساہل اور مخالفین پر متشدد تھا، امام ذہبی کہیں تو فرماتے ہیں کہ تـقعقـع کعادتہ (میزان ص ۴۵/ ج ۳) کہیں فرماتے ہیں الـخساف المتهور (میزان ص ۸/ ج ۴) اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ نبوت کسبی ہے اس لئے بعض لوگ اس کو زندیق کہتے ہیں، احناف کے خلاف سخت متعصب تھا۔

(۲۳)............ابن عدی جرجانی الشافعی (۳۶۵ھ): یہ نہایت متعصب تھے، امام شافعی کے استاد ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی کو سب محدثین نے ضعیف کہا ہے مگر ابن عدی سب کے اقوال کو نظر انداز کر کے کہتا ہے میں نے اس کی بہت احادیث دیکھیں جن میں ایک بھی منکر نہ تھی لیکن امام محمد جن کی کتابیں پڑھ کر ابن عدی امام بنا، اسی کے خلاف زبان درازی خوب کی اور امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھا کہ تین سو احادیث میں امام ابوحنیفہ نے خطاء کی ہے حالانکہ ان میں راوی ابـا بـن جعفر النجیرمی ہے جو ابن عدی کا استاد ہے یہ سب خطاء اس کی ہے لیکن ابن عدی نے اپنے استاد کی غلطیاں امام صاحب کے سر ڈال کر ان کو کثیر الخطاء بنا ڈالا۔ (میزان)

(۲۴)..........السلیمانی الشافعی بیکندی (۴۰۴ھ): بہت متعصب تھے، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بڑے بڑے سنی محدثین کو شیعہ قرار دے دیا ہے۔ (میزان ص ۵۸۸/ج ۲)

(۲۵) ازدی الشافعی بغدادی (۳۷۴ھ): خود ضعیف تھے، بلاوجہ محدثین پر جرح کرتے ذہبی نے ان کو مسرف فی الجرح لکھا ہے (میزان ص ۵/ج ۱)

(۲۶)..........حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) غالی شیعہ تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہت منحرف تھے، بخاری مسلم پر استدراک لکھا، کئی موضوعات بھی اس میں بھر دیں۔

(۲۷)..........دارقطنی (۳۸۵ھ): متعصب شافعی تھے، امام صاحب کو ضعیف کہہ ڈالا ان کے شیعہ ہونے میں اختلاف ہے۔

(۲۸)..........بیہقی الشافعی خراسانی (۴۵۸ھ): حاکم کی زبان تھے، احناف سے بہت تعصب رکھتے تھے، حنفیت امام طحاوی کے رد کے شوق میں سنن میں ہر قسم کی صحیح حسن اور ضعیف روایات بھر دیں اور شافعیوں کو باور کرایا کہ میں نے حنفیت کا خوب رد کیا ہے لیکن المارد ینی الحنفی (۷۴۹ھ) نے الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی لکھ کر اس کی پوری حقیقت واضح فرمادی۔ تقریباً سات صدیاں گزر چکی ہیں کوئی شافعی اس کا رد نہیں لکھ سکا۔

(۲۹)..........خطیب بغدادی الشافعی (۴۶۳ھ): محمد بن طاہر مقدسی فرماتے ہیں کہ مشہور محدث اسمٰعیل بن الفضل فرمایا کرتے تھے کہ تین حفاظ حدیث ایسے ہیں جن سے مجھے کوئی محبت نہیں کیونکہ وہ بہت ہی متعصب ہیں اور ان میں انصاف بہت کم ہے، حاکم ابوعبداللہ، ابونعیم الاصفہانی اور خطیب، مقدسی فرماتے ہیں کہ انہوں نے بالکل بجا فرمایا (المنتظم لابن الجوزی ص ۲۶۹/ج ۸)

(۳۰)..........ابن حزم ظاہری قرطبی (۴۵۶ھ): یہ ناصبی تھے زبان درازی میں حجاج کی تلوار کی مثال تھے انہوں نے نہ جامع ترمذی دیکھی نہ ابن ماجہ بلکہ امام ترمذی کو مجہول قرار دے دیا، فقہاء کے خلاف بہت تعصب رکھتے تھے۔

(۳۱)..........الجوزقانی (۵۴۲ھ) آپ نے ایک کتاب الاباطیل لکھی جس میں کچھ

اوہام بھی ہیں طبیعت میں تشدد اور تعصب تھا۔

(۳۲)......... ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ): آپ نے ضخیم کتاب تاریخ دمشق تحریر فرمائی جس میں رطب ویابس سب جمع کر دیا۔

(۳۳)......... ابن الجوزی حنبلی بغدادی (۵۹۷ھ): جرح میں بہت متشدد تھے، بخاری مسلم تک کی احادیث کو موضوعات میں شامل کر دیا، علامہ سیوطی نے اس پر تعقبات لکھے۔

(۳۴)......... الحازمی الشافعی ہمدانی (۵۸۴ھ): آپ نے وجوہ ترجیح پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی لیکن ان وجوہ ترجیح میں کہیں نہ فرمایا کہ بخاری ومسلم یعنی صحیحین کی حدیث کو دوسری کتابوں کی احادیث پر ترجیح ہوگی۔ اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں اس کا نشان تک نہیں ملتا۔ (یعنی پہلی چھ صدیوں میں کہیں اس جملہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح للبخاری" کا نام ونشان تک نہ تھا۔ بلکہ یہ بعد کی پیداوار ہے۔ اور حقیقت یہ حکم اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا مالک اور بروایت امام محمد موطا محمدؒ ہے (مرتب)

(۳۵)......... امام ابن الصلاح شہرزوری الشافعی: اس نے سب سے پہلے یہ دعویٰ کیا کہ بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اور بخاری مسلم کی احادیث بحیثیت سند دوسری کتابوں پر مقدم ہیں مگر اس بات کو خود ابن کثیر الشافعی نے بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا اور نہ احناف نے اپنی اصول کی کتابوں میں اس کا ذکر کیا بلکہ شیخ ابن الھمام نے صاف صاف اس کا رد فرمایا امام ابن الصلاح نے اس بات کا مدار اس پر رکھا کہ خاص محدثین کے طبقہ میں بخاری شریف کو تلقی بالقبول کا شرف نصیب ہوگیا ہے اس لئے اس کا مقام بلند ہے، اس کے ساتھ امام ابن الصلاح نے یہ بھی فرمایا کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کو عوام وخاص سب میں تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے اس لئے ان میں سے کسی ایک کی تقلید تو واجب ہے اور ان چاروں کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں کیونکہ ان چار کے علاوہ کسی مجتہد کے اصول فقہ اور فروع نہ مکمل طور پر مرتب ہیں اور نہ ہی درسا اور عملاً متواتر ہیں، غیر مقلدین کی یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ امام ابن الصلاح کی جس بات کی محققین نے تردید کردی اس کو تو وحی آسمانی سے بڑھ کر قبول

کرلیا اور ان کی جس بات کو سب محققین نے قبول کرلیا یعنی وجوب تقلید شخصی اس کو کفر شرک تک قرار دے ڈالا یہی نفس پرستی کی انتہاء ہے۔

(۳۶)......... محمد بن طاہر مقدسی ظاہری (۵۰۷ھ) انہوں نے سب سے پہلے شروط الائمۃ الستۃ لکھی اور یہ امت میں پہلی دفعہ لفظ ستہ سے متعارف ہوئی لیکن ان کے شاگرد حازمی نے ستہ میں ان سے اتفاق نہ کیا اور شروط الائمۃ الخمسۃ لکھ ڈالی۔ امام نووی الشافعی حورانی (۶۷۶ھ) نے بھی اصول میں خمسہ کے ہی تراجم لکھے۔

(۳۷)......... عبدالغنی المقدسی الحنبلی (۶۰۰ھ): آپ نے کتب ستہ کے رجال پر پہلی کتاب مرتب فرمائی جس کا نام الکمال فی اسماء الرجال رکھا، یہ کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی، یہ لفظ ستہ کا دوسرا تعارف ہے پھر المزی الشافعی (۷۴۲ھ) نے الکمال کی تلخیص کی، اس کا نام تہذیب الکمال فی اسماء الرجال رکھا جو اب مکمل چھپ گئی ہے پھر تہذیب الکمال کی تلخیص ذہبی (۷۴۸ھ) نے کی اور اس کا نام تذھیب التہذیب رکھا اس کا خلاصہ خزرجی (۹۱۳ھ) نے کیا تذہیب الکمال کی دوسری تلخیص ابن حجر (۸۵۲ھ) نے کی اور اس کا نام تہذیب التھذیب رکھا پھر اس کی تلخیص خود ہی کی پھر اس کا نام تقریب التھذیب رکھا، ان سب کتابوں میں صرف کتب ستہ کے راوی ہیں، بعض جاہل ان ہی کتابوں کو مکمل اسماء الرجال جانتے ہیں اور جو راوی تقریب میں نہ ملے اس کو مجہول کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان سب کتابوں میں راویوں کی کل تعداد ۸۸۷۴ ہے۔

(۳۸).............ابن دقیق العید الشافعی (۷۰۲ھ): آپ نے اپنی کتابوں میں کافی اعتدال سے کلام فرمایا ہے، آپ کے شاگرد امام زیلعیؒ نے اکثر ان کا کلام نقل فرمایا ہے۔

(۳۹)...........ابن تیمیہ حنبلی حرانی (۷۲۸ھ): آپ بہت متشدد تھے، بہت سی صحیح احادیث کو محض ضد میں رد کر دیتے تھے، رافضی کے رد میں تنقیص علیؓ تک کر گزرتے ہیں (دیکھو لسان المیزان ص۳۱۹/ج۶) کئی مسائل میں ان کے تفردات ہیں جن پر ابن حجر مکی نے خوب رد کیا ہے۔

(۴۰)........... المارديني الحنفي (۷۴۹ھ): امام بیہقی نے تعصب کی وجہ سے جو

اعتراضات مسلک حنفی پر کئے تھے ان کا جواب ا سول شوافع پر دیا ہے جس کا جواب نہیں

(۴۱)..........الذهبی الحنبلی (۷۴۸ھ) ان کے شاگرد علامہ سبکی نے اپنے اس استاذ کے بارے میں جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ذہبی ہمارے استاذ ہیں، اللہ ان کو معاف کرے مگر انہوں نے کسی حنفی، شافعی، مالکی کو معاف نہیں کیا، نہ کسی اشعری کو، وہ تعصب میں اس حد تک پہنچے ہوئے تھے کہ سخرۂ اطفال بن گئے تھے، وہ جب صوفیاء کرام، اشاعرہ، احناف، شوافع اور مالکیوں کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے کپڑے اتارتے ہیں، ان کے تمام محاسن سے ان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور ان کو کوئی خطاءل جائے تو خوب اچھالتے ہیں اور اہل تجسیم کے محاسن خوب لکھتے ہیں اور اغلاط سے درگزر فرماتے ہیں فخر الدین رازی، سیف آمدی تک کو معاف نہیں کیا، حالانکہ نہ وہ کسی حدیث کے راوی ہیں نہ کچھ (ملخصا طبقات شافعیہ ص ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۷/ج ۱)، ذہبی نے ایک کتاب تذکرۃ الحفاظ لکھی ہے جس میں ساڑھے سات صدیوں میں جو حفاظ حدیث گزرے ہیں ان کا ذکر کیا ہے، ان کی کل تعداد ۱۱۷۶ ہے اس میں امام اعظم اور قاضی ابو یوسف کو بھی حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے، دوسری کتاب میزان الاعتدال فی نقد الرجال لکھی ہے جس میں ضعیف اور متکلم فیہ راویوں کا ذکر ہے ان کی تعداد ۱۱۰۵۳ ہے۔

(۴۲)..........علامہ المغلطائی الحنفی (۷۶۲ھ): آپ اسماء الرجال کے بڑے حافظ تھے، تہذیب الکمال پر مناقشات لکھے جن سے ابن حجر نے بھی تہذیب میں استفادہ کیا۔

(۴۳)..........علامہ زیلعی الحنفیؒ (۷۶۲ھ): آپ کی کتاب نصب الرایہ احادیث احکام کا انسائیکلو پیڈیا ہے حافظ ابن حجر نے اس سے بہت استفادہ فرمایا ہے۔

(۴۴).......... حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعی (۸۵۲ھ): آپ بہت بڑے حافظ الحدیث تھے اور جوں جوں ان کا علم حدیث ترقی کرتا گیا ان کے دل میں حنفیت کی صداقت گھر کرتی گئی، مگر ایک خواب پر انہوں نے سارے ہی مطالعہ حدیث کو قربان کر دیا وہ اپنی کتاب المجمع المؤسس میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابن البرہان کو موت کے بعد خواب میں دیکھا

میں نے پوچھا کہ تو مردہ ہے، اس نے کہاہاں۔ میں نے پوچھا اللہ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو اس میں ایسا شدید تغیر ہوا کہ میں سمجھا کہ وہ چھپ گیا پھر وہ اپنی حالت پر آ گیا اور کہا کہ اب ہم خیریت سے ہیں لیکن نبی ﷺ تجھ پر ناراض ہیں، میں نے پوچھا کیوں؟ تو کہا کہ تیرا میلان حنفیوں کی طرف ہے، اس پر میری آنکھ کھل گئی اور میں بڑا حیران تھا، میں نے بہت سے حنفیوں کو یہ کہا تھا کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں حنفی ہو جاؤں، انہو ں نے کہا کہ کس وجہ سے؟ تو میں کہتا کہ آپ کے مذہب کے فروع اصول پر مبنی ہیں، اب میں اس سے اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں۔ (ہامش ذیل تذکرہ ص ۳۲۸)

حافظ ابن حجر کی یہ بات حنفیت کی صداقت کی بڑی وزنی دلیل ہے کہ مذہب حنفی حدیث کے عین مطابق ہے اور اس کے فروع اصول پر مبنی ہیں مگر اس خواب سے ابن حجر میں وہ تعصب بھرا کہ الامان، الحفیظ، حافظ ابن حجر کے شاگرد امام سخاوی نے الدرالکامنہ میں اس تعصب کو واضح کیا ہے، اسی لئے قاضی القضاۃ ابن، شحنہ ابن حجر کے بارے میں یوں فیصلہ دیتے ہیں کہ حافظ ابن حجر احناف کے فضائل کو چھپاتے ہیں اور ان کی لغزشوں کو گاتے ہیں، حافظ صاحب کا حنفیوں کے ساتھ وہی وطیرہ ہے جو ذہبی کا حنفیوں اور شافعیوں کے ساتھ۔ اسی لئے ذہبی کے شاگرد سبکی نے کہا ہے کہ ذہبی سے نہ کسی حنفی کے حالات نقل کرنے چاہئیں نہ شافعی کے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کے کلام سے نہ کسی متقدم حنفی کے حالات لینے چاہئیں اور نہ کسی متاخر کے۔ (نقلہ الکوثری حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ) عجیب بات ہے کہ حافظ ابن حجر الماردینی اور زیلعی کے جواب الجواب سے بالکل عاجز رہے ہیں۔

(۴۵)............علامہ ھیثمی صاحب مجمع الزوائد (۸۰۷ھ) آپ ذہبی کے شاگرد ہیں اکثر جروح مبہم کرتے ہیں اور مذہب شافعی کی پاسداری بھی کرتے ہیں۔

(۴۶)............محقق علی الاطلاق شیخ ابن الھمام الحنفی (۸۶۱ھ): آپ بہت بڑے اصولی اور حافظ حدیث تھے، صحیحین کی ترجیح کو تحکم اور ناانصافی فرماتے تھے۔

ان کے علاوہ:

(۴۷)............ابن القیم حنبلی (۷۵۱ھ)
(۴۸)............ابن کثیر الشافعی (۷۷۴ھ)
(۴۹)............امام سیوطی الشافعی (۹۱۱ھ)
(۵۰)............ابن حجر مکی (۹۷۴ھ)
(۵۱)............المناوی (۱۰۱۳ھ) اور
(۵۲)............ابوالحسن سندھی (۱۱۳۹ھ) نے بھی اپنی کتابوں میں رجال پر کلام کیا ہے۔

سند اور تعامل:

یہ بات پہلے گزر چکی کہ خیر القرون میں حصول دین کا طریقہ اپنے اپنے شہر کے اہل علم کا تعامل تھا مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ شہر آباد کیا تو وہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تعلیم دین کے لئے بھیجا۔ اہل عراق نے اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سیکھی۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے تقریباً ایک ہزار سے زیادہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کوفہ تشریف لے گئے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کئی بار کوفہ تشریف لے گئے وہاں ان کے ساتھ نمازیں پڑھتے۔ اہل عراق بھی حج اور دیگر مواقع پر حجاز تشریف لاتے، یقیناً یہاں آکر نمازیں بھی پڑھتے اور حجاز میں رہائش پذیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کو قرآن پڑھتے سنتے اور نماز پڑھتے دیکھتے، وہ اہل عراق بھی اپنے طریقہ کو عمل بالسنّت ہی کہتے اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کو عامل بالسنّت ہی سمجھتے۔ پھر جب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ مزید بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کوفہ تشریف لائے اور وہیں آباد ہو گئے تو انہوں نے بھی کبھی یہ نہ فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمہیں خلاف سنت نماز سکھائی ہے، نہ تمہارا قرآن خدا والا یہ تو ابن مسعود والا ہے، نہ تمہاری نماز نبی والی یہ تو ابن مسعود کی نماز ہے، نہ تمہارا دین مکہ والا نہ مدینے والا یہ تو سارا کوفی دین ہے بلکہ حضرت

علی ؓ نے یہی فرمایا: اے اللہ! عبداللہ بن مسعود کی قبر کو نور سے اس طرح بھر دیجئے جس طرح انہوں نے اس شہر کو (کتاب وسنت کے) نور سے بھر دیا ہے، اب اس کے راوی صرف عبداللہ بن مسعود ؓ نہ رہے بلکہ اہلِ عراق اور اہلِ حجاز صحابہ کرام ؓ کے بار بار مشاہدے کے بعد اس طریقہ کے سنت نبوی ہونے پر ایسا ہی عملی اور سکوتی اجماع ہو گیا جیسے کوفہ میں پڑھے جانے والے قرآن پر عملی اور سکوتی اجماع ہو گیا، ایسا تعامل اپنے ساتھ یقین کی اتنی بڑی قوت رکھتا ہے کہ سب کے دل میں نقش کالحجر ہو گیا کہ کوفہ میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے اس کا ایک ایک نقطہ وہی کتاب اللہ ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اور عراق میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کا ایک ایک مسئلہ، ایک ایک حرکت وسکون، ایک ایک ذکر بالیقین وہی ہے جو نماز آنحضرت ﷺ آخری عمر میں پڑھا کرتے تھے، اس کے خلاف سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے کوفہ میں جا کر خلاف سنت نماز سکھائی، کوفہ میں آباد دیگر سب صحابہ ؓ نہ صرف اس خلاف سنت نماز پر خاموش رہے بلکہ سب یہی خلاف سنت نماز پڑھنے لگے، یہی لوگ جب حج پر جاتے تو مکہ میں بھی سب کے سامنے خلاف سنت نماز پڑھتے، مدینے میں بھی اور جب حضرت علی ؓ کوفہ تشریف لائے تو انہوں نے بھی نہ صرف اس خلاف سنت نماز پر سکوت فرمایا بلکہ خود بھی یہی خلاف سنت نماز پڑھا کرتے تھے ہمیں یقین ہے کہ یہ سوچ کسی متعصب رافضی کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے جانشین ان کے وہ اصحاب بنے جن کو باب مدینۃ العلم حضرت علی ؓ سراج اہلِ کوفہ یعنی کوفہ کے چراغ فرمایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ اصحاب علی ؓ بھی شریک ہو گئے، ان میں حضرت علقمہ ؓ اور حضرت اسود ؓ سب میں ممتاز تھے اور ان کے ذریعے کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ دنیا بھر میں پھیلی ان کا تعلق نہ صحابہ ؓ سے کٹا، نہ مکہ سے، نہ مدینہ سے، سب لوگ پورے یقین کے ساتھ اسی قرآن کو کتاب اللہ اور اسی نماز کو نماز نبوی مانتے رہے، یہی نماز مکہ میں جا کر پڑھتے رہے اور یہی مدینہ میں۔ اگر کوئی ایسی حدیث ان کو ملتی جو تعلیم ابن مسعود ؓ کے خلاف

ہوتی تو اسی متواتر تعامل کو نقد احادیث کا معیار بناتے اور جب دیکھتے کہ یہ حدیث اس یقینی عمل تواتر کے خلاف ہے بلکہ اس حدیث کا راوی بھی اس پر عمل نہیں کر رہا تو راوی کی روایت پر راوی کے عمل کو ترجیح دیتے اس لئے کہ وہ یقینی عملی تواتر کے موافق ہوتا، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے بارے میں ان کو یقین تھا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ خود حدیث روایت کریں اور پھر اس پر عمل نہ کریں، وہ کہتے تھے کہ خود راوی کا عمل اپنی روایات کے خلاف دو ہی صورتیں رکھتا ہے یا تو یہ کہ وہ واقعی سنت قائمہ ہو اور راوی صحابی جان بوجھ کر خلاف سنت عمل کا پابند ہے، تو اس صورت میں تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی اور سقوط عدالت کی وجہ سے روایت بھی متروک قرار پاتی ہے اور یا یہ ہے کہ راوی کو یقین ہے کہ یہ سنت قائمہ نہیں بلکہ مؤول یا منسوخ ہے اور صحابہ کرام سے حسن ظن یہی ہے کہ وہ صرف ان حدیثوں پر عمل ترک فرماتے تھے جو سنت قائمہ نہ ہوں بلکہ منسوخ یا مؤول ہوں کیونکہ وہ خیر القرون کے لوگ تھے جن کے بارے میں ہے: و السابقون الاولون من المهاجرین و الانصار و الذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم و رضوا عنه یعنی ان کی اتباع میں ہی رضائے الٰہی ہے اور یہ وہی لوگ تھے جن کے بارے میں ہے: و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی و نصله جهنم و ساءت مصیرا ﴿﴾

جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر چلے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بری جگہ ہے اور یہی وہ انعام یافتہ لوگ تھے جن کا راستہ صراط مستقیم اور جن کے راستے سے ہٹنا نار جحیم ہے، انہی کی اتباع و تقلید کے ہم مامور ہیں، انہی کی رہنمائی میں عمل کرنا کتاب و سنت پر صحیح اور یقینی عمل ہے۔ اسی لئے اہلِ عراق کا یہ ضابطہ تھا کہ جب کوئی راوی حدیث بیان کرتا جس پر خود ہی راوی کا عمل نہ ہو تو راوی کے عمل کو اختیار کیا جائے گا اور یہی ضابطہ اہلِ حجاز کا تھا۔ امام مالکؒ اختلاف حدیث کے وقت

تعامل اہلِ مدینہ کو نقد کا معیار بناتے تھے یہی وجہ ہے کہ خیر القرون کے لوگ بہت سی احادیث کو روایت کرتے تھے مگر ان پر عمل نہ کرتے تھے مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا، حالانکہ نہ کوئی خوف تھا اور نہ بارش، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر کسی نے عمل نہیں کیا، اسی طرح اس حدیث کو سب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جماعت کرا رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں تشریف فرما ہوئے، اب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی، لیکن امت نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا کہ ایک جماعت کے دو امام ہوں، دونوں کی تحریمہ بھی الگ الگ ہو، اسی طرح یہ احادیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (کھڑے ہونے کی صورت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر باندھتے تھے، اس میں کسی نے قومہ کو شامل نہیں کیا اگر چہ عموم میں قومہ شامل ہے، اسی طرح وہ حدیث روایت کرتے تھے کہ جتنی نماز امام کے ساتھ پالو وہ پڑھ لو باقی قضاء کر لو، لیکن پوری امت کا تعامل یہ ہے کہ وہ جب دو سجدے امام کے ساتھ کرتے ہیں یا تشہد میں امام کے ساتھ ملتے ہیں تو وہ دوبارہ سجدوں کو بھی قضاء کرتے ہیں اور تشہد کو بھی جو عموم حدیث کے خلاف ہے، اسی لئے اہلِ عراق نے ضابطہ بنالیا کہ اختلاف کے وقت حدیث کے رد و قبول میں بھی اور حدیث کے مفہوم کی تعیین میں بھی اصل معیار تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ کا ہے۔ تعامل سلف کے مقابلہ میں اپنی خود رائی یا کج ادائی کو عمل بالحدیث کا نام دینا خود دھوکے میں پڑنا اور عوام کو دھوکے میں ڈالنا ہے، دیکھئے نماز تراویح پورا مہینہ میں پڑھنا، پورا مہینہ اول شب میں پڑھنا، پورا مہینہ باجماعت پڑھنا، ان میں ایک قرآن ختم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز ثابت نہیں، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعینؒ اور سلف سے ہی ثابت ہے۔ چنانچہ فقہ عراق اور فقہ حجاز میں مدار تعامل سلف پر ہی رہا۔ ہاں بعد میں آنے والے فقہاء جن کے مشاہدہ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ عملی نمونے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں تھے انہوں نے اختلاف حدیث کے

وقت نقد روایات کا معیار رواۃ پر رکھ لیا اور اس کے لئے انہیں علم اسماء الرجال کے وضع کرنے کی ضرورت پڑی۔ اب نقد کا معیار پوری جماعت کے تعامل سے ہٹ کر اشخاص پر آ گیا ان دونوں معیاروں میں وہی فرق ہے جو جماعت اور شخص میں ہے "یـد اللہ عـلـی الجـمـاعـة" کو خیال فرمائیں، اور کتب اسماء الرجال کا مطالعہ کرنے والے پر یہ مخفی نہیں کہ ایک محدث ایک راوی کو عادل کہتا ہے، دوسرا کذاب کہتا ہے اور دوسرا بڑا فرق یہ ہو گیا کہ تعامل کا مشاہدہ معاصرت پر مبنی تھا اور جماعت خطاء سے محفوظ۔ یہاں معدل اور جارح معاصرین میں کم، غیر معاصرین زیادہ، نہ جارح اور مجروح کا زمانہ ایک، نہ علاقہ ایک، نہ مذہب ایک، تو معرفت کے وہ اصول جو شروع مضمون میں آنحضرت ﷺ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے لکھے ہیں وہ سب کے سب مفقود۔ اسی لئے کئی جگہ سند اور تعامل کا ٹکراؤ سامنے آیا اور خود محدثین کو بھی اس دوسرے طریق کی کمزوری کا اعتراف کرنا پڑا کہ صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں اور ضعف سند ضعف متن کو مستلزم نہیں لیکن نقد میں تعامل کا معیار بنانے والوں کو کسی ایسے استثناء کی ضرورت نہیں پڑی۔ بہر حال نقدِ حدیث میں ایک طریقہ سلف کا تھا وہ یقینی اور محکم تھا، دوسرا طریقہ خلف کا جن کا مدار رواۃ پر ہے اور اسماء الرجال کا مطالعہ کرنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ ان کتابوں میں بڑے بڑے ائمہ دین کو دین کا گرانے والا اور سخت سخت جرح کے اقوال ملتے ہیں اور اس اسماء الرجال کی مدد سے بڑے بڑے رافضیوں، معتزلیوں اور خارجیوں تک کی احادیث کو صحیح مان لیا گیا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

تفصیل:

وہ اخبار آحاد جن کو تلقی بالقبول کا شرف نصیب نہیں ہوا، ان کی جانچ پرکھ کے لئے جرح وتعدیل کا فن بہت اہم ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ جرح وتعدیل ان حضرات کی معتبر ہے جو راوی کی جان پہچان والے ہوں، اسی لئے امام مالکؒ اہلِ مدینہ سے روایت لیتے ہیں

کیونکہ اہلِ مدینہ ان راویوں کوخوب جانتے تھے،اسی طرح اہلِ کوفہ کواہل کوفہ کی پہچان ہے، دوسرے شہروں والے یا مذہب والے ایک دوسرے کے خلاف بعض اوقات ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو اس شہر یا مذہب والوں کے ہاں کوئی وزن نہیں رکھتی تھیں۔ ایسی باتوں میں اہلِ شہر یا اہلِ مذہب ہی کی بات قابل اعتماد ہوتی ہے۔ دیکھئے امام زہری مدینہ منورہ میں بہت بڑے محدث ہیں لیکن اہلِ مکہ کے بارے میں فرماتے ہیں: مـا رأيـت قـومـا انقض لعرى الاسلام من اهل مكة (جامع بیان العلم ص۱۵۳) کہ میں نے اہلِ مکہ سے زیادہ اسلام کی کڑیوں کوتوڑنے والی کوئی قوم نہیں دیکھی۔ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام زہری نے بلا استثناء سب اہلِ مکہ کو اسلام کی کڑیاں توڑنے والا فرمادیا حالانکہ وہاں بڑے بڑے علماء تھے جن کی جلالت کا امت انکارنہیں کرسکتی، فرماتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ امام زہری نے اگرچہ عنوان عام رکھا ہے مگر مراد اہلِ مکہ میں سے صرف وہ لوگ ہیں جو بیع صرف اور متعہ کے قائل تھے اسی طرح اہلِ مکہ اہلِ مدینہ کو یہ الزام دیتے تھے کہ وہ گانے کو جائز مانتے، ہیں عراق میں بھی اہلِ کوفہ میں کچھ شیعہ تھے اور کچھ فقہاء امت اہلِ سنت، اس کے برعکس بصرہ میں زیادہ خارجی تھے اور وہاں کے سنی زیادہ اہلِ تصوف تھے، اس اختلاف مذہب ومزاج کی بنیاد پر وہ ایک دوسرے کے خلاف بھی بات کرتے اور بعض اوقات معمولی بات متشدد یا متعصب کے لئے بڑا ہتھیار بن جاتی۔ جب اسماء الرجال کی کتابیں جمع ہوئیں تو ان میں ہرقسم کے رطب و یابس کو جمع کیا گیا، اسی لے خود اہلِ فن محدثین کو اس علم کی افادیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعتراف تھا کہ جوشخص ان کتابوں کے مطالعہ کے وقت نہ جارح اور مجروح کے اوطان کے اختلاف کو جانتا ہوگا اور نہ ان کے اختلاف مزاج، اختلاف مذہب یا تشدد اور تعصب سے واقف ہو وہ ان کتابوں سے امت میں بہت بڑا فتنہ بھی کھڑا کرسکتا ہے اس لئے امام ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) نے ہی اپنی کتاب میں باقاعدہ یہ عنوان قائم فرمایا: بـاب حـكـم قـول الـعـلـماء بعضهم فى بعض ''علماء کی ایک دوسرے کے بارے میں رائے کا حکم''

علماء کی رائے دیگر علماء کے بارے میں:

اس باب میں پہلے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نقل فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی اقوام یعنی یہود و نصاریٰ کی یہ بیماری کہ وہ آپس میں بہت حسد کرتے اور ایک دوسرے سے بغض رکھتے تھے یہ چیز تم میں بھی آجائے گی اور یہی بیماری دین کو مونڈ دینے والی ہے، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے: علماء سے علمی باتیں سنو، لیکن اگر ایک عالم دوسرے عالم کے بارے میں کوئی (مخالفت) کی بات کہے تو وہ بالکل نہ ماننا۔ اس خدا کی ذات پاک کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ان میں بکروں سے بھی زیادہ غیرت ہوتی ہے اپنے باڑوں میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس عالم سے علم ملے حاصل کرلو، لیکن علماء کا قول ایک دوسرے کے خلاف کبھی قبول نہ کرو کیونکہ ان کی غیرت باڑوں میں بکروں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی باوجود علم کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کچھ نہ کچھ بداعتدالیاں ہو ہی جاتی ہیں۔

آخر میں امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح اس باب میں یہی ہے کہ جس شخص کی عدالت، علمیت، امانت اور دیانت ثابت ہے اس کے خلاف جرح قبول نہ ہوگی، جب تک مفسر اور شہادت کے طریقہ پر ثابت نہ ہو، علماء نے ایک دوسرے کے خلاف عدم علم یا حسد کی وجہ سے بہت کچھ کہا ہے ان باتوں کی طرف دھیان تک نہ دینا چاہئے (جامع بیان العلم ص ۱۵۲/ ج ۲) جب ایک ہی شہر اور ایک ہی مذہب کے علماء کی آپس میں ... ایک دوسرے کے خلاف قبول نہیں تو جہاں وطن بھی مختلف ہو، زمانہ بھی مختلف ہو، مذہب بھی مختلف ہو اور ساتھ ہی تشدد اور تعصب بھی کارفرما ہو تو ایسی باتیں کب قبول کی جاسکتی ہیں اس لئے عقل اور نقل کا اتفاق اسی بات پر ہے کہ جرح وتعدیل میں اہل مدینہ کے لئے اہل مدینہ کی رائے، اہل مکہ کے لئے اہل مکہ کی رائے، اہل کوفہ کے لئے اہل کوفہ کی رائے اور اہل بصرہ کے لئے اہل بصرہ کی رائے کو معیار مانا جائے، اسی طرح احناف کے لئے احناف کی

رائے، شوافع کے لئے شوافع کی رائے، مالکیوں کے لئے مالکیوں کی رائے اور حنابلہ کے لئے حنابلہ کی رائے کو قبول کیا جائے، اسے معیار قرار دیا جائے اور اس کے مخالف اقوال کو مخالفین کی جہالت یا مخالفین کے حسد کا کرشمہ قرار دے کر رد کر دیا جائے اس جہالت یا حسد کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام ابراہیم بن ادہم کی ولایت امت میں تواتر سے ثابت ہے مگر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں قال الدار قطنی ضعیف (لسان المیزان ص۴۰/ج۱)

۲۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت اسد بن عمرو البجلی جلیل القدر امام ہیں، مگر لکھا ہے کذاب لیس بشی، (لسان ص ۳۸۳/ج۱)

۳۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ تینوں جلیل القدر ائمہ دین میں سے ہیں مگر ابن عدی کہتا ہے کہ تینوں ضعیف ہیں (لسان ص ۳۹۸/ج۱)

۴۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام بشر بن غیاث المریسی کے بارے میں ہے کان من اهل الورع و الزهد (صیمری ص ۱۵۶) ادھر ہے وہ بدعتی اور گمراہ تھا (لسان ص۲۹/ج۲)

۵۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام یحیٰی بن نصر کے متعلق احناف کہتے ہیں هذا احد ائمة مرو فی الحدیث و الفقه صحب ابا حنیفة و روی عنه۔ (موفق ص۱۷۵/ج۲) کہ یہ مرو میں ائمہ حدیث وفقہ میں سے ایک جامع بین الحدیث والفقہ امام تھے، امام ابوحنیفہ سے صحبت اور آپ سے احادیث روایت کیں مگر میزان میں لکھا ہے کہ قال ابوزرعة لیس بشی۔ (ص۴۱۲/ج۴) کہ بالکل کچھ نہ تھے۔

۶۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام یزید بن الکمیت کے بارے میں احناف لکھتے ہیں کان من خیار الناس۔ (موفق ص۲۳۷/ج۱) لیکن میزان میں ہے قال الدار قطنی متروك۔ (ص۴۳۸/ج۴)

۷۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام یاسین الزیات کے بارے میں احناف کہتے ہیں کان من عظماء اصحاب الحدیث۔ (موفق ص۲۳۷/ج۱) جب کہ میزان میں ہے قال البخاری

منکر الحدیث۔ (میزان ص۳۵۸/ ج۴)

۸............امام یوسف بن خالد سمتی کے بارے میں احناف کہتے ہیں کان قدیم الصحبة لابی حنیفة کثیر الاخذ عنه۔ (صیمری ص۱۵۰) یعنی یہ امام صاحب کے قدیمی ساتھیوں میں سے تھے اوران سے بہت کچھ لیا مگر میزان میں ہے: کذبه یحییٰ بن معین (میزان ص۴۶۴/ ج۴)

۹............امام مسلم بن سالم کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ امام اهل بلخ لزم اباحنیفة و روی عنه الکثیر (موفق ص۲۴۸/ ج۱) کہ اہل بلخ کے امام تھے، ہمیشہ امام صاحبؒ کے ساتھ رہے اوران سے بہت سی احادیث روایت کیں مگر لسان میں ہے کہ محدثین کا اس کی احادیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

۱۰............امام الصوفیاء حضرت شقیق بلخیؒ جو العابد الزاہد الفقیہ تھے۔(الکامل ص۶۰/ ج۲) لسان میں ہے: منکر الحدیث۔ (لسان ص۲۷۹/ ج۲) اس قسم کے تعصبات سے یہ کتابیں بھری پڑی ہیں۔

یحییٰ بن معین کی شہادت:

امام یحییٰ بن معینؒ فرمایا کرتے تھے: اصحابنا لیفرطون فی ابی حنیفة و اصحابه۔ (جامع بیان العلم ص۱۴۸/ ج۲) کہ ہمارے اصحاب محدثین امام ابوحنیفہؒ اوران کے ساتھیوں کے بارے میں افراط سے کام لیتے ہیں۔

خود امام ابن عبدالبر المالکی (۴۶۳ھ) بھی یہی فرماتے ہیں: افرط اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفة و تجاوزوا الحد۔ (ص۱۴۸/ ج۲) یعنی محدثین امام اعظمؒ کی برائی بیان کرنے میں افراط کرتے ہیں اور حد سے بڑھ جاتے ہیں، دوسری جگہ فرماتے ہیں: و اما سائر اهل الحدیث فهم کالاعداء لابی حنیفة و اصحابه۔ (الانتقاء ص۱۷۳) سب محدثین ایسے ہیں جیسے امام ابوحنیفہؒ اوران کے اصحاب (مقلدین) کے

دشمن ہوں جب محدثین امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے بارے میں اتنے حد سے بڑھے ہوئے ہیں کہ صورت حال عداوت تک پہنچی ہوئی ہے، جس کی وجہ فتنہ خلق قرآن میں بعض قاضیوں کی محدثین سے زیادتی، تعصب مذہبی، ان کے حالات سے جہالت اور حسد ہے تو امام صاحبؒ اور ان کے مقلدین کے بارے میں ان لوگوں کی جروح کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے، کیا اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو اس حدیث سے بغاوت کرنے سے ڈر نہیں لگتا کہ آنحضرت ﷺ نے خیانت کرنے والے اور اپنے بھائی سے بغض اور کینہ رکھنے والے کی شہادت کو رد کر دیا۔ (ابوداؤد ص ۵۰۷/ ج ۲) حق یہی ہے کہ نہ احناف کی جروح مخالفین کے لئے مقبول ہیں اور نہ ہی مخالفین کی احناف پر۔

ایک اہم بات:

محدثین کا اپنا ایک مزاج تھا، قرآن پاک سات قاریوں کے ذریعہ ساری امت میں پھیلا، ان حضرات نے قرآن پر محنت کی، اس لئے درس حدیث دینے میں وہ معروف نہ ہو سکے، ان میں قاری ابوعمرو بن العلاء بصری (۱۵۴ھ)، قاری نافع بن عبدالرحمٰن مدنی (۱۶۹ھ)، قاری کسائی ابوالحسن الکوفی (۱۸۹ھ) سے اصحاب ستہ نے کوئی حدیث روایت نہ کی۔ قاری عاصم الکوفی جن کی قرأت میں آج ساری دنیا قرآن پڑھ رہی ہے ان کو کثیر الخطاء لکھ ڈالا۔ (میزان الاعتدال ص ۳۵۸/ ج ۲) کیا محدثین کے اس انداز سے امت نے اس کے واسطہ سے ملا ہوا قرآن چھوڑ دیا؟ ہرگز نہیں۔ قاری صاحبان کے بارے میں قاری حضرات کی ہی رائے قابل اعتماد ہوگی کیونکہ وہ اہل فن ہیں نہ کہ محدثین کی۔ قراء کے بعد جلیل القدر صوفیاء کرام پر محدثین کی نظر عنایت ہوئی علامہ ذہبی الحارث بن اسد المحاسبی کے ترجمہ میں امام ابوزرعہ کا قول کہ حارث کی کتابیں بدعات اور ضلالات ہیں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ابوزرعہ ابوطالب مکی کی قوت القلوب، ابن جھضم کی بھجۃ الاسرار، سلمی کی حقائق التفسیر، غزالی کی احیاء العلوم، شیخ عبدالقادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین، شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم اور

فتوحات مکیہ دیکھ لیتے تو کیا کچھ فرماتے۔ (میزان الاعتدال ص ۴۳۱/ ج۱) اور امام فخر الدین رازی کے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ معقولات کے امام تھے لیکن حدیث سے کورے۔ اس نے مسائل دینیہ میں ایسی شکیکات کیں کہ عقل حیران ہے، ہم اللہ سے ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتے ہیں اس کی ایک کتاب السر المکتوم فی مخاطبۃ النجوم ہے جو صریح جادو ہے، شاید وہ اس سے توبہ کر گیا ہو۔ (میزان الاعتدال ص ۳۴۰/ ج ۳) ذہبی کے اس ترجمہ پر ان کے لائق شاگرد امام سبکی بہت نالاں ہیں کہ یہ امام رازی کون سے کسی حدیث کے راوی تھے کہ ان کے کپڑے اتارنے ضروری تھے، جب ان حضرات نے نہ کسی قاری کو معاف کیا، نہ مفسر کو، نہ قاضی کو، نہ معقولی کو، نہ صوفی کو تو فقہاء کو کیسے معاف کرتے۔ جب فقہاء کرام کی مجلس میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے اور کوئی حدیث کا طالب علم وہاں جا بیٹھتا تو اصول فقہ سے ناواقفیت کی بناء پر اصل فقہی مسئلہ سے تو اسے کوئی دلچسپی نہ ہوتی، فقہاء کرام آیات واحادیث سے بھی دوران بحث ذکر کرتے تو جیسے آج وعظ وتقریر میں علماء پوری سند سے حدیث بیان نہیں کرتے یا جتنا حصہ اس تقریر سے متعلق ہوا تنا بیان کرتے ہیں اسی طرح فقہاء بھی مجلس فقہ میں حدیث کا اتنا ہی حصہ زیر بحث لاتے جو اس مسئلے سے متعلق ہوتا اور اسانید کا بھی اشارہ ہی فرماتے کیونکہ فقیہ کا اصل موضوع متن ہے نہ کہ سند، لیکن وہ حدیث کا طالب علم جا کر محدثین کو بتاتا کہ وہ نہ سند پوری پڑھتے ہیں، نہ متن، بس پھر کیا تھا کثیر الخطاء کی جرح ہو جاتی، نیز فقہاء کے منشاء کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ لوگ ان کے بعض مسائل کو حیلوں کی مد میں داخل کر لیتے اور چونکہ توریہ پر کذب کا لفظ حضرت ابراہیمؑ کے لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرما دیا، یہ لوگ حیلے کو کذب اور فقہاء کو کذاب تک کہہ گزرتے، مذکورہ حضرات کی امانت جوامت میں مسلّمہ ہے اس کے مقابلہ میں بعض حضرات کی تعصب یا حسد پر مبنی شاذ آراء کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو متواتر قرآن کے مقابلہ میں شاذ ومتروک قرأتوں کی، اس لئے اصول پسند طبائع تو ان کو قبول ہی نہیں کرتیں، ہاں شذوذ پسند لوگوں نے اگر ان شاذ اقوال کو لے بھی لیا تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوگا کہ ان سے حدیث

نہ لو، یہ مطلب تو کوئی دیوانہ بھی نہ لے گا کہ قاری سے قرأت نہ لو، مفسر سے تفسیر بھی نہ لو، معقولی سے معقولات بھی نہ لو، فقہاء سے فتویٰ بھی نہ لو، لیکن خدا جب کسی سے دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے چنانچہ ایک لامذہب یحییٰ گوندلوی نامی نے ایک کتاب بنام داستان حنفیہ شائع کی ہے، اس کتاب کے کل صفحات ۲۳۰ ہیں اس میں چالیس فقہاء کے کپڑے اتارنے کی کوشش کی ہے اس کو معلوم ہے کہ بخاری ومسلم کی حدیث رسول ﷺ میں فقہ کو خیر اور فقہاء کو خیار فرمایا گیا ہے مگر اس منکر حدیث نے فقہ کو شر اور فقہاء کو اشرار ثابت کرنے پر کمر باندھی، ہے اس داستان گو نے کتاب کا نام تو داستان حنفیہ رکھا لیکن احناف فقہاء کے بارے میں احناف کی آراء بیان کرنے کی بجائے ایسے حضرات کے شاذ اقوال پیش کئے ہیں جن کا نہ زمانہ ان سے ملے، نہ علاقہ، نہ مذہب، نہ مزاج۔ اگر اس شخص میں دین ودیانت نام کی کوئی چیز ہے تو ان فقہاء کے بارے میں حنفی فقہاء کی آراء پیش کرے، اس کی کتاب کے مطابق بھی ان میں سے بعض تو اصحاب امام ہیں اور بعض اصحاب صاحبین اور یقیناً امام صاحب اور صاحبین کی معرفت ان کے بارے میں کامل ہے کیونکہ استاد اپنے شاگرد کو اور ہم جماعت اپنے ہم جماعت کو خوب پہچانتا ہے، جب یہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے معتمد علیہ ہیں تو ان کے مقابلہ میں ایسے لوگوں کی رائے جو نہ فقیہ، نہ ہم عصر، نہ ہم جماعت، نہ ہم مذہب، نہ ہم وطن، پھر ان فقہاء سے امت نے فقہی اور قانونی مسائل لئے ہیں کسی ایک کے بارے میں بھی یہ داستان گو یہ ثابت نہ کر سکا کہ یہ لوگ فقیہ نہ تھے، اس لئے ان کے فقہی فتاویٰ قابل اعتماد نہیں۔ دیکھئے چند مثالیں عرض کردیتا ہوں اس طریقہ پر کتاب پر نظر ثانی کرلیں۔

ا۔۔۔۔مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری دونوں ہم عصر بھی ہیں، ہم وطن بھی، ہم مذہب بھی، تو بٹالوی صاحب مولانا ثناء اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں، تفسیر امرتسری کو تفسیر مرزائی کہا جائے تو بجا ہے، تفسیر چکڑالوی کا خطاب دیا جائے تو روا ہے اور اس کو تفسیر نیچری کہنا تو کمال زیبا ہے اور حق بحق دار رسید کا مصداق۔ اس کا مصنف اس تفسیر سراپا الحاد وتحریف میں پورا مرزائی، پورا چکڑالوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے۔ (الاربعین: عبدالحق

غزنوی غیر مقلد ص ۴۳) دیکھئے جارح، مجروح اور ناقل تینوں غیر مقلد، تینوں ہم عصر اور ہم وطن ہیں۔

۲۔۔۔۔۔مولانا عبداللہ روپڑی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری دونوں غیر مقلد ہیں، ہم عصر اور ہم وطن ہیں، مولانا ثناء اللہ کے بارے میں روپڑی صاحب فرماتے ہیں: وہ اہل حدیث سے خارج ہیں، جہمیہ، معتزلہ، زندیق، ملحد، کافر اور بدعتی ہیں۔ (مظالم روپڑی ص ۱۶ بحوالہ تنظیم روپڑی)

۳۔۔۔۔۔مولانا محمد اسحاق شاگرد مولانا عبدالوہاب امیر جماعت غرباء اہل حدیث مولانا عبداللہ روپڑی کو ملحد اور زندیق کہتے ہیں۔ (مظالم روپڑی ص ۴۹)

۴۔۔۔۔۔مولانا شرف الدین صدر مدرس مدرسہ میاں نذیر حسین، مولانا عبدالوہاب امیر جماعت غرباء اہل حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ایسے ملا مولوی نفس کے بندے، خواہش نفسانی کے لئے گھڑ گھڑ کے مسئلے بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں یہ قرآن و حدیث کا مسئلہ ہے اور یہ خدا رسول ﷺ کا حکم ہے''۔ (خلافت محمدی: محمد جوناگڑھی ص ۳۰) جب جماعت کا امام خود مسئلے بناتا ہے تو عوام بھی وہی کچھ کریں گے۔

۵۔۔۔۔۔فیض عالم صدیقی امام زہری کے بارے میں لکھتا ہے: ''ابن شہاب منافقین وکذابین کے دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی مستقل ایجنٹ تھے اکثر گمراہ کن، خبیث اور مکذوبہ روایتیں انہی کی طرف منسوب ہیں'' (صدیقہ کائنات ص ۱۰۸) یہی رفع یدین اور لاصلوٰۃ کے راوی ہیں۔

۶۔۔۔۔۔علامہ احسان الٰہی ظہیر اور حافظ عبدالرحمٰن مدنی دونوں ہم مذہب بھی ہیں، ہم عصر بھی اور ہم وطن بھی۔ مدنی صاحب نے علامہ صاحب کو جو دس باتوں پر مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اس میں علامہ صاحب پر زناکاری، شیعہ اور بریلوی کی ایجنسی اور کروڑوں روپے کا غبن بھی مذکور تھا، جس چیلنج کو علامہ صاحب قبول نہ کر سکے اور دنیا ہی چھوڑ گئے اور مدنی صاحب کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا:

گلی میں نے کبھی تھی تم تو دنیا چھوڑے جاتے ہو

آخر میں مولانا داؤد غزنوی کی نصیحت آپ کو یاد کرا دیتا ہوں، اگر چہ امید نہیں کہ مان لو۔ فرماتے ہیں: ''دوسرے لوگوں (مقلدین) کی یہ شکایت کہ اہل حدیث حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں، بلا وجہ نہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے علاقے میں لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ بھی کر جاتے ہیں، یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہئے (داؤد غزنوی ص ۸۷) بہرحال کتاب داستان حنفیہ فرمان رسول ﷺ لعن آخر هذه الامة اولها کا کامل مصداق ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ کتاب چاند کا تھوکا منہ پر کا مصداق ہے۔

جرح مفسر:

گزشتہ سطور میں یہ عرض کیا ہے کہ جارح عارف، بصیر اور ناصح ہو۔ متشدد، متعنت اور ناواقف کی جرح قبول نہیں، اب یہ بھی خیال رکھیں کہ جرح کا مفسر ہونا ضروری، ہے اسباب جرح جتنے بھی پھیل جائیں ان کے اصل اصول دو ہی ہیں: حفظ مجروح ہے یا عدالت۔

حافظہ پر جرح:

حافظہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے لیکن کسی بیماری یا بڑھاپے سے کمزور بھی ہو جاتا ہے اور حافظے کا بہت زیادہ تعلق دلچسپی سے ہے۔ جس شخص کو جس فن سے زیادہ دلچسپی ہوگی اس فن کی باتیں اسے یاد رہیں گے اور حافظہ کا تکرار سے بھی بہت گہرا تعلق ہے، جس بات کا بار بار تکرار کرو وہ خوب یاد ہو جاتی ہے، اس لئے اعلیٰ سند اس کو کہا جاتا ہے جس کے سارے راوی تام الضبط بھی ہوں اور اپنے استاد کے ساتھ کثیر الملازمت بھی ہوں اور اگر تام الضبط اور کثیر الملازمت ہونے کے ساتھ ساتھ تفقہ فی الدین کا شرف بھی حاصل ہو تو وہ

سند تو نور علیٰ نور ہو جاتی ہے اور ایسی سند کے ساتھ اگر تواتر عملی بھی شریک ہو جائے تو کالشمس فی نصف النہار ہو جاتی ہے۔

سند امام اعظم ابوحنیفہؒ:

اسی لئے دنیا بھر میں اعلیٰ ترین سند ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ عن النبی ﷺ ہے کیونکہ اس سند کے سارے راوی تام الضبط ہیں اور اپنے اپنے استاد کے ساتھ کثیر الملازمت بھی ہیں، امام زفرؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حماد سے سنا کہ میں نے ابراہیم نخعی کو دیکھا اور جس نے بھی حضرت علقمہ کو دیکھا تھا وہ پورے یقین سے کہتا تھا کہ ابراہیم نخعی کی چال ڈھال بالکل علقمہ کی چال ڈھال تھی اور جن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا وہ بلاخوف وتردید کہتے تھے کہ حضرت علقمہ کی چال ڈھال بالکل حضرت عبداللہ کی چال ڈھال ہے اور جن خوش قسمت آنکھوں نے حضرت رحمۃ للعالمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی وہ بلاشک یہ کہتے تھے کہ حضرت عبداللہ کی چال ڈھال آنحضرت ﷺ کی ہی چال ڈھال ہے (مسند امام اعظم ص۱۸۹) اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ حضرات نہ صرف اپنے زمانہ کے فقیہ تھے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے زمانے کا افقہ الناس تھا جن کے بہت سے فتاویٰ آج تک امت نے محفوظ رکھے اور جب کتاب الآثار، موطا امام محمد میں ساتھ تعامل فقہاء کا بھی ذکر مل جائے تو پھر اس سند کا کیا کہنا۔

امام صاحبؒ کا حافظہ:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا اب سوال یہ ہے کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے کہ امام صاحبؒ کا حافظہ کمزور تھا حافظہ کے بارے میں سب سے قوی شہادت اساتذہ کی ہوا کرتی ہے، امام صاحب کے فقہ کے استاد امام حمادؒ ہیں۔ امام صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ میں استاذ مکرم سے مسائل سنتا اور ان کو لفظ بہ لفظ

یاد کرتا، اگلے دن جب وہی مسائل دہرائے جاتے تو مجھے سب سے زیادہ یاد ہوتے اوران کی دوسرے طلباء سے خطائیں ہوتیں تو استاذ مکرم نے فرمایا کہ میری مجلس کے حلقہ کے صدر میں ابوحنیفہ کے سوا کوئی نہ بیٹھے۔ (موفق ص ۵۵/ ج ۱) یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ اس وقت سب سے بڑا حلقہ درس امام حمادؒ ہی کا ہوتا تھا اور حلقہ میں صدر حلقہ صرف امام ابوحنیفہؒ تھے کیونکہ ان کا حافظہ سب سے زیادہ تھا، اسی طرح امام صاحب کے استاذ حدیث حضرت امام سلیمان بن مہران اعمشؒ نے کوئی مسئلہ پوچھا اس کے جواب میں امام صاحبؒ فرفر احادیث سنانے لگے، ان میں وہ احادیث بھی تھیں جو خود امام اعمش سے روایت کی تھیں امام اعمشؒ نے فرمایا بس بس یہ دلائل کافی ہیں، میں نے جو احادیث تجھے سو دن میں پڑھائی تھیں تو چاہتا ہے کہ ایک ہی گھڑی میں سنادے میرا یقین ہے کہ تو ان پر عمل کرتا ہے۔ پھر امام اعمشؒ نے فرمایا: اے فقہاء کی جماعت تم طبیب ہو اور ہم پنساری ہیں اور ابوحنیفہ تو دونوں میدانوں کا مرد ہے (موفق ص ۱۶۵، ج ۱) امام اعمشؒ نے جہاں شاگرد رشید کے حافظے کی تعریف فرمائی وہاں فقیہ اور محدث کا فرق بھی واضح فرما دیا کہ فقیہ تو طبیب ہے جو ہر ہر دوائی کے خواص اور ان کے مختلف خواص میں تطبیق کی پوری اہلیت رکھتا ہے، پنساری کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کستوری کا نام جانتا ہو اور اس کی پہچان رکھتا ہو مگر طبیب اس کے سینکڑوں خواص، ہر نسخہ میں اس کی مقدار، نسخہ کی دیگر دواؤں سے اس کے امتزاج سے جو مفید یا مضر پہلو سامنے آئیں ان کا حل بھی جانتا ہے، وہ اس کے خواص پر سینکڑوں صفحات لکھ سکتا ہے، سینکڑوں بیماریوں میں اس کا صحیح استعمال کرسکتا ہے، پنساری کے پاس دواؤں کا ذخیرہ تو ہوتا ہے مگر وہ خود کسی کا علاج نہیں کرسکتا بلکہ خود اپنے اور بیوی بچوں کے علاج میں اطباء کا ہی محتاج ہوتا ہے، جو مریض طبیب سے علاج کرائے اور صحت یاب ہو جائے اسے مقلد کہتے ہیں جو اطباء سے لڑے، پنساری کی دکان سے اپنی مرضی کی دوا اٹھا کر کھاتا رہے اور اپنے مرض کو ایسا بگاڑے کہ پھر طبیب بھی اس کو لاعلاج قرار دے دے اسے غیر مقلد کہتے ہیں۔

بہرحال امام صاحبؒ کے حافظہ کی بہت سی شہادتیں ان کے اساتذہ، ہم جماعت

اور تلامذہ کی ہیں ان سب کے خلاف ابن عدی (۳۶۵ھ) کا یہ کہہ دینا کہ امام صاحب کا حافظہ کمزور تھا اور دلیل یہ دینا کہ ان سے احادیث میں غلطی ہوئی، بالکل مردود جرح ہے اور جس دلیل پر اس کی بنیاد رکھی ہے وہ بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ ان احادیث میں غلطی ابن عدی کے اپنے استاذ نجیرمی کی ہے، اب اس کی غلطی کو امام صاحب پر ڈال کر ان کو ان کے اساتذہ کی شہادت کے خلاف کمزور حافظہ اور پھر ضعیف کہنا بہت بڑا ظلم ہے۔

ایک لطیفہ:

ایک صاحب نے دوران گفتگو جرح شروع کر دی، کہنے لگا کہ امام ابوحنیفہؒ ضعیف تھے، میں نے کہا تو ہزار درجے کا ضعیف ہے وہ بہت بگڑا کہ میرے ضعیف ہونے کا جو دعویٰ تو نے کیا ہے اس کو دلیل سے ثابت کر، دنیا کی کسی عدالت میں جرح مبہم قبول نہیں تو جب دنیا کے بارے میں جرح مبہم قبول نہیں تو دین تو بہت اہم ہے، اس کے بارے میں جرح مبہم کیسے قبول ہو سکتی ہے، میں نے کہا جب تجھ جیسے عام ان پڑھ کے لئے بھی جرح مبہم قبول نہیں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ جن کی امامت فقہاء ومحدثین، علماء وصوفیاء، رعایا وسلاطین اور عرب وعجم میں دوپہر کے سورج کی طرح مسلّم ہے، ان کے بارے میں جرح مبہم کیسے قبول ہوگی؟ کہنے لگا یہ ابن عدی محدث کا فیصلہ ہے میں نے کہا فیصلہ تو وہی قابل قبول ہوتا ہے جو مقبول شہادت پر مبنی ہو، اس کے پاس کون سی شرعی شہادت، ہے کہنے لگا ہم محدثین کا فیصلہ بلا مطالبہ دلیل آنکھیں بند کر کے اندھادھند مانتے ہیں، میں نے کہا اسی کو تو آپ اندھی تقلید اور شرک کہتے ہیں۔ کہنے لگا: واقعی یہ تو اندھی تقلید ہے مگر تو تو تقلید کو مانتا ہے تو تو مان لے۔ میں نے کہا میں تو ابن عدی کے امام، امام شافعیؒ کا بھی مقلد نہیں، آپ کو کس نے بتایا کہ میں ابن عدی کا مقلد ہوں۔ ایک آدمی مجھے کہنے لگا کہ تمہارا فلاں امام کذاب ہے میں نے کہا تو کذاب بن کذاب ہے، بہت بگڑا کہ ہمارے جھوٹ کو شرعی ثبوت سے ثابت کرو، میں نے کہا عجیب بات ہے کہ تجھے کذاب ثابت کرنے کے لئے تو شرعی ثبوت کی ضرورت

ہے اور امام صاحب کو کذاب ثابت کرنے کے لئے کسی شرعی ثبوت کی ضرورت نہ ہو۔ کہنے لگا فلاں شخص کا فیصلہ ہے میں نے کہا دیکھئے مولوی عبدالاحد خان پوری غیر مقلد کا مولوی ثناء اللہ غیر مقلد کے متعلق یہ فیصلہ ہے ''اور ثناء اللہ ملحد زندیق کا دین اللہ کا دین نہیں، اس کا دین تو فلاسفہ دہریہ (منکرین خدا) نمارہ صابئین کا ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہیں اور کچھ دین اس کا ابوجہل کا ہے جو اس امت کا فرعون تھا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے، پس وہ بحکم قرآن واجب القتل ہے'' (فیصلہ حجازیہ ص ۸) دیکھئے مولوی عبدالاحد اس فیصلے کو حجاز کا فیصلہ اور قرآن کا فیصلہ کہتا ہے، بہت چمکا کہ ہم کسی کے مقلد تھوڑے ہی ہیں، ہم اللہ ورسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے میں نے کہا بہت اچھا آپ اللہ ورسول اللہ ﷺ سے دکھا دیں کہ عبدالاحد غیر مقلد کا فیصلہ ثناء اللہ کے بارے میں غلط ہے، وہ نہ مانا، اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ عبدالاحد غیر مقلد قرآن کا فیصلہ بھی سنائے تو وہ بالکل نہ مانا۔ آخر کہنے لگا کہ اگر کتابوں میں لکھی ہوئی ہر ہر بات کو صحیح مان لیا جائے تو نہ صحابہ کرام کی عظمت محفوظ رہ سکے گی، نہ اہل بیت کی، نہ انبیاء علیہم السلام کی۔ میں نے پوچھا جب آپ نے یہ مان لیا کہ کتابوں میں صحیح صحیح باتیں بھی ہیں، غلط بھی تو اب اس کا کیا معیار ہوگا کہ کون سی بات غلط ہے اور کون سی صحیح ہے؟ کہنے لگا کہ تحقیق کی جائے گی، میں نے کہا اول تو ہر آدمی تحقیق نہیں کر سکتا، پھر ہر تحقیق تو ماہر کی بھی صحیح نہیں ہوتی، کہنے لگا پھر آپ کے ہاں کیا معیار ہے؟ میں نے کہا جس طرح قرآن وہی ہے جس کی ہر جگہ تلاوت ہو رہی ہے، اس کے خلاف متروک شاذ قرأتیں ہرگز قرآن نہیں۔ یہی معیار حدیث کے لئے ہے کہ جس حدیث پر یہاں کے فقہاء، محدثین وعوام متواتر عمل کرتے آرہے ہیں وہ صحیح ہے، اس کے خلاف متروک وشاذ ہے یہی معیار فقہ میں ہے کہ جن مسائل پر ہر جگہ فتویٰ اور عمل ہے وہ مذہب حنفی ہے اور متروک وشاذ جزئیات مذہب حنفی نہیں۔ یہی معیار تاریخ میں ہے جن کی امامت، ولایت، محدثیت وغیرہ اہل فن کے ہاں مسلّم ہے وہ صحیح، اس کے خلاف کوئی بات ہو تو وہ شاذ ونا قابل قبول۔

حکم

جو جرح حافظہ کی وجہ سے ہو اس سے حدیث درجہ صحت سے درجہ حسن میں آجاتی ہے، یہ ایک علمی فرق ہے، عمل دونوں پر ضروری ہے اور اگر اس کا متابع یا شاہد مل جائے تو یہ اتنی جرح بھی ختم ہو جاتی ہے پھر متابع اور شاہد کی وجہ سے وہ حدیث درجہ صحت پر فائز ہو جاتی ہے، یہ اصول خود قرآن مجید میں ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کو مرد کی گواہی کے برابر مان لیا ہے اور وجہ یہی بتائی ہے کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی (القرآن) اسی طرح محدثین اہل فن کا اجماع ہے کہ ارسال، تدلیس، انقطاع، جہالت بھی اسی درجہ کی جرحیں ہیں یہ بھی متابعت یا شاہد ملنے سے ختم ہو جاتی ہیں اور یاد رہے کہ فقہاء کے نزدیک سب سے بڑا شاہد تعامل ہے۔

اس پر سب اہل فن کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام ﷺ میں نہ ارسال جرح ہے، نہ جہالت، نہ تدلیس اور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کے دور کو بھی خیر القرون فرمایا ہے۔ جب غلبہ خیر کے ان تینوں ادوار میں ارسال، تدلیس اور جہالت کوئی جرح ہی نہیں۔ بعض محدثین نے تابعین اور تبع تابعین میں تقسیم کر دی ہے کہ بعض کا ارسال اور تدلیس جرح ہے، بعض کا جرح نہیں۔ فقہاء کہتے ہیں کہ ان کی اس تقسیم میں جانبداری، تشدد اور تعصب کو راہ ملتی ہے اور حدیث کا اصول ہی صحیح ہے جس میں جانبداری، تشدد اور تعصب کو کوئی راہ نہیں ملتی۔ تابعی و تبع تابعی مکہ کا ہو یا مدینہ کا، کوفہ کا ہو یا بصرہ کا، یمن کا ہو یا شام کا، سب کے لئے ایک ہی اصول ہے، حدیث کے خلاف عقل بھی یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ تابعی اور تبع تابعی پر تو بداعتمادی قائم ہو کہ ان کے مرسل صحیح نہیں اور امام بخاری پر اتنا اعتماد کہ ان کی تعلیقات بھی حجت ہوں، خیر القرون کی جہالت تو مضر ہو مگر طبرانی کے وہ شیوخ جن کو میزان میں ضعیف نہ کہا گیا ہو ان کی جہالت مضر نہ ہو اور روایت مقبول ہو، امام ابوحنیفہؒ اور تمام فقہاء کوفہ کسی حدیث کے موافق عمل بھی

کرتے رہیں تو حدیث کو صحیح نہ مانا جائے اور حافظ ابن حجر کے صرف فتح الباری یا تلخیص الحبیر میں لکھ دینے سے ہی حدیث کا صحت یا حسن ہونا ثابت ہو جائے۔

عدالت پر جرح:

جرح کا دوسرا بنیادی سبب عدالت کا مجروح ہونا ہے العدالة وهی الاستقامة فی الدين و المعتبر ههنا كما لها و هو رجحان جهة الدين و العقل على طريق الهوى و الشهوة حتى اذا ارتكب كبيرة أو أصر على صغيرة سقطت عدالته۔ (المنار) ''عدالت کے معنی ہیں دین پر مستقیم (اٹل) رہنے کے، (اور روایت حدیث کے باب میں کمال استقامت یعنی) عدالت کاملہ معتبر ہے اور (عدالت کاملہ) یہ ہے کہ دین اور عقل کا پہلو خواہش اور شہوت کی راہ و رسم پر غالب ہو! چنانچہ جب کوئی کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا کسی گناہ صغیرہ کے ارتکاب پر مصر ہو تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔'' گناہ کبیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا، کسی مسلمان کو قتل کرنا، کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا، جہاد سے بھاگنا، یتیم کا مال کھانا، مسلمان ماں باپ کی نافرمانی کرنا (ایسے کاموں میں جو گناہ کے نہ ہوں)، حرم شریف میں بے دینی کی طرف مائل ہونا، سود خوری، چوری کرنا، شراب پینا، زنا، لواطت، جادو کرنا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، رہزنی، غیبت، جوابازی وغیرہ۔ جس کی عدالت کسی متفق علیہ گناہ کی وجہ سے ساقط ہو جائے اسے فاسق کہتے ہیں۔ احکام شرعیہ میں اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔

مقبول جرح:

امام ابوالبرکات النسفی (۷۱۰ھ) فرماتے ہیں الطعن المبهم من أئمة الحديث لا يجرح الراوی عندنا الا اذا وقع مفسرا بما هو جرح متفق عليه ممن اشتهر بالنصيحة دون التعصب (ص ۱۹۲) ہمارے ہاں محدثین کا مبہم طعن راوی کو مجروح نہیں کرتا۔ مگر جب اس طعن کی تفسیر اس طرح کی گئی ہو کہ اس میں متفق علیہ

سبب جرح ثابت کیا جائے اور وہ جارح بھی ایسا ہو کہ دین کی خیر خواہی میں مشہور ہو اور متعصب نہ ہو (اور ناقل بھی متعصب نہ ہو کہ محاسن کو چھپائے اور معائب کو گائے)۔

مراتب جرح وتعدیل:

محدثین کے کچھ اصطلاحی الفاظ ہوتے ہیں۔ تقریب التھذیب چونکہ مختصر کتاب ہے، اس میں جرح تعدیل اور راویوں کے زمانہ کے اعتبار سے ۱۲۔۱۲ طبقے مذکور ہیں۔ جرح تعدیل کے اعتبار سے مراتب یہ ہیں:

۱............صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، یہ سب عادل ہیں۔

۲............جس راوی کی توثیق میں تاکید ہو اوثق الناس یا ثقہ ثقہ ہے، یا ثقہ ہے، حافظ ہے۔

۳............جس کے بارے میں ھوثقہ یا عدل یا متقن یا ثبت کوئی ایک ہو۔

۴............ذرا اس سے کم درجہ صدوق، لا بأس به، لیس به بأس۔

۵............اس کے کم صدوق سیئی الحفظ، صدوق یھم، صدوق له أوھام، صدوق یخطی، صدوق تغیر بآخرہ اسی درجے میں بدعتی راوی آجاتے ہیں جیسے شیعہ، قدری، ناصبی، مرجئ، جہمی وغیرہ۔

۶............وہ راوی جو قلیل الروایت ہو اور اس میں کوئی سبب جرح نہ پایا گیا ہو، اگر سند میں کوئی اس کا تابع مل جائے تو اسے مقبول کہتے ہیں، متابع نہ ملے تو لین الحدیث۔

۷............وہ راوی جس سے روایت کرنے والے ایک سے زائد شاگرد ہوں، اگر چہ کسی نے واضح طور پر اس کو ثقہ نہ کہا ہو، اس راوی کو مستور یا مجہول الحال کہتے ہیں۔

۸............ایسا راوی جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا اور کسی نے ضعیف کہہ دیا ہے اگر چہ اس کا سبب ضعف بیان نہیں کیا، اس کو ہم ضعیف لکھیں گے۔

۹............ایسا راوی جس کا ایک ہی شاگرد ہو اور کسی معتبر نے اس کو ثقہ نہ کہا ہو، وہ مجہول ہے۔

۱۰ جس راوی کی کسی نے توثیق نہ کی ہو اور جارحین نے اس پر مفسر جرح کی ہو اس کو متروک، متروک الحدیث، واہی الحدیث یا ساقط الحدیث کہتے ہیں۔

۱۱ جس پر جھوٹ کی تہمت ہو۔

۱۲ جس پر کذب اور وضع کا اطلاق ہو۔

فوائد:

ان بارہ طبقات میں سے پہلے نو طبقات تو وہ ہیں جن پر جرح مفسر ہے ہی نہیں۔ اس لئے یہ راوی ہمارے ہاں مجروح نہیں ہیں اگرچہ اس کو ضعیف لکھا ہوا اور نواں طبقہ جس کا گناہ یہ لکھا ہے کہ اس کا ایک ہی شاگرد ہو، یہ کوئی سبب جرح نہیں ہے۔ دیکھو عبدالرحمٰن بن نمیر الیحصبی کا صرف ایک شاگرد ولید بن مسلم ہے اور اس کی حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی میں ہے (مقدمہ فتح الباری)۔ اسی طرح عبداللہ بن اوس کا ایک ہی شاگرد ابوسلیمان الکحال ہے مگر اس کی حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں ہے اور کسی کی نص کہ یہ راوی ثقہ ہے یہ ہونا بھی ضروری نہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی خود لکھتے ہیں: و فی رواۃ الصحیح عدد کثیر ماعلمنا أن احدا نص علی توثیقھم (میزان الاعتدال ص۴۲۶، ج ۳) یعنی صحیح بخاری میں ایسے بہت سے راوی ہیں جن کے ثقہ ہونے پر کسی کی نص نہیں ملتی۔

متروک:

متروک کے بارے میں حافظ نے کہا ہے کہ متروک، واہی، ساقط وہ راوی ہے جس پر جرح مفسر ہو۔ اس میں بھی دیکھا جائے گا کہ سبب جرح متفق علیہ ہے یا مختلف فیہ ہے اور جارح ناصح ہے یا متشدد یا متعنت یا متعصب۔ اگر سبب جرح متفق علیہ ہو اور جارح ناصح ہو تو جرح مقبول ہو گی بشرطیکہ اس راوی کی امامت مسلم نہ ہو۔

کذب کی جرح:

بعض نے اس کو مفسر سمجھا ہے اور متفق علیہ بھی قرار دیا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں۔ عربی

زبان میں کذب کا اطلاق کافی وسیع ہے۔ دیکھو بخاری شریف میں حضرت ابراہیمؑ کے توریہ پر کذب کا اطلاق خود حضورﷺ نے فرمایا ہے۔ اس سے بعض مخالفین نے ناجائز فائدہ اٹھایا، پہلے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ فقہاء کرام حیلے بیان کرتے ہیں، پھر حیلے پر کذب اور فقہاء پر کذاب تک کا اطلاق کرنے لگے۔ وتر کے ایک اجتہادی حکم میں حضرت عبادہ بن الصامت نے بدری صحابی ابو محمدؓ کے بارے میں فرمادیا کذب ابو محمد (نسائی، ابوداؤد، ترمذی) اس کو دلیل بنا کر بعض محدثین نے اپنے اجتہادی مخالفین پر کذاب کا اطلاق کر دیا۔ اس لئے جب تک کذب بمعنی جھوٹ ثابت نہ ہو یہ جرح مبہم ہی سمجھی جائے گی بلکہ بعض محققین نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ کذاب، وضاع، دجال وغیرہ اگرچہ معنی کے اعتبار سے مفسر ہیں تاہم ان کو مبہم سمجھا جائے گا جب تک وہ حدیث پوری سند سے نہ آئے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ حدیث تو گھڑی ہوئی ہو مگر گھڑنے والا کوئی دوسرا راوی ہو اور کسی نے غلطی سے دوسرا سمجھ لیا ہو۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۵۴)

فائدہ:

حافظ ابن حجر نے تقریب میں زمانہ کے اعتبار سے راویوں کے بارہ طبقے بیان کئے ہیں۔ جن میں پہلے نو طبقے خیر القرون کے راوی ہیں اور آخری تین مابعد خیر القرون کے۔ اس لئے خوب یاد رکھیں کہ خیر القرون یعنی پہلے نو طبقوں کے راویوں کا ارسال، انقطاع، تدلیس یا جہالت ہمارے ہاں کوئی جرح نہیں (نور الانوار ص ۱۹۲، قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۲۷)۔

ایک وضاحت:

اسلام کا علمی سرمایہ جوامت کو ورثہ میں ملا ہے اس کے ثبوت کے مختلف طریق ہیں جیسا کہ اس مضمون کے ابتداء میں گزرا۔ قرآن پاک جس قطعی تواتر سے ثابت ہے، احادیث کا وہ حصہ جو اخبار آحاد کہلاتا ہے یقیناً اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، پھر احادیث کی جانچ

پرکھ کا جو معیار ہے تاریخ کا معیار یقیناً اس سے بہت فروتر ہے۔ دور برطانیہ سے پہلے سب مسلمان قرآن وحدیث اور تاریخ کو اپنے اپنے درجہ پر مانتے تھے۔ دور برطانیہ میں اسلام کے علمی ورثہ کو مشکوک بلکہ نا قابل اعتماد بنانے کی تحریک اتنے زور سے اٹھی کہ اچھے بھلے لوگ اس میں بہہ گئے۔ اس علمی سرمایہ کے انکار کی ابتداء انکار تاریخ سے کی گئی کہ جب اسلامی شخصیات کی عظمت کا ثبوت ہی باقی نہ رہے گا تو الفاظ کو مشکوک کرنا آسان ہو جائے گا۔ اس کی ابتداء ہمارے علم کے مطابق یوں ہوئی کہ میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فضائل کا انکار کرنے کے لئے یہ شرط لگائی کہ امام اعظمؒ کے فضائل ہم وہ مانیں گے جو سند صحیح، متصل، مسلسل سے ثابت ہوں (معیار الحق ص ۵۱)۔ حالانکہ اس شرط پر تاریخ تو کیا بہت سی احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ صحیح کی شرط سے تمام حسن احادیث کا انکار ہو گیا اور متصل سے تمام مرسلات، تعلیقات، بلاغات کا انکار ہو گیا اور مسلسل کا مطلب ہے کہ سند میں عنعنہ نہ ہو تو دیکھو صحاح ستہ میں کتنی احادیث عنعنہ سے خالی ہیں۔ میاں نذیر حسین نے حضرت امام اعظمؒ کی دشمنی میں پوری تاریخ اسلام کو داؤ پر لگا دیا۔ اب سوال اٹھا کہ کیا ہر محدث اور ہر ہر راوی کے حالات سند صحیح، متصل، مسلسل سے ثابت ہیں؟ اس ایک فقرے نے پورے اسماء الرجال پر بھی پانی پھیر دیا۔ دیکھو امام دشمنی نے کہاں تک پہنچا دیا۔ اب غیر مقلد کتنے راویوں کے حالات اور کتنی احادیث کو اس معیار پر پورا اتار سکتے ہیں، اس معیار حق نے ساری تاریخ اور حدیث کو ناحق کر دکھایا۔ منکرین سنت نے کتنی سنتوں کا اس لئے انکار کر دیا کہ ان کی سند صحیح، متصل اور مسلسل نہیں۔ منکرین معجزات نے کتنے معجزات کا انکار کر ڈالا جن کی سند صحیح، متصل، مسلسل نہ تھی اور منکرین صحابہ ﷺ، منکرین اہل بیت نے ان کے فضائل کی کتنی حدیثوں کا انکار کر دیا جو سند صحیح، متصل، مسلسل سے ثابت نہ تھیں۔ میاں صاحب نے تاریخ کو تاریخ کے مسلمہ معیار پر ماننے سے انکار کر دیا کہ ہم تاریخ کو جب مانیں گے کہ اس کو حدیث کے اعلیٰ ترین معیار پر ثابت کرو۔ جب نام نہاد اہل حدیث نے یہ قدم اٹھایا تو ان کے بھائی نام نہاد اہل قرآن کب پیچھے رہنے والے تھے۔

انہوں نے کہا کہ ہم صرف ان احادیث کو مانیں گے جن کا ثبوت قرآن کی طرح قطعی اور متواتر ہو۔ اب میاں صاحب کب تمام احادیث کو قرآنی معیار پر ثابت کر سکتے تھے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ امام صاحب سے دشمنی کے جوش میں ایسا ہوش کھویا کہ نہ تاریخ ہاتھ میں رہی اور نہ حدیث۔ آہ! اللہ والوں کی شان میں گستاخی کرنے کا وبال اسی طرح انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے کہ فلاح کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

متن اور سند:

یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ محدثین کے ہاں حدیث سند کو کہتے ہیں، ان کو جو اہل حدیث یا اصحاب الحدیث کہتے ہیں اس کا معنی ہوتا ہے سند والے یعنی سند کی تحقیق اور چھان بین کرنے والے۔ اہل حدیث کا معنی غیر مقلد نہیں ہوتا اور فقہاء کرامؒ کے ہاں حدیث متن کو کہتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی محدث کسی حدیث کے بارے میں ضعیف یا لا أصل له کہے تو یہ حکم اس سند پر ہوتا ہے نہ کہ متن پر۔ یہین ممکن ہے کہ وہی متن کسی دوسری صحیح سند سے ثابت ہو بلکہ متواتر ہو۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اس متن کو محدثین نہ صرف صحیح بلکہ متواتر مانتے ہیں، لیکن ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کئی صحابہ ؓ سے یہ متن درج کر کے اس کو ضعیف لکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان سندوں سے یہ متن ضعیف ہے اگر چہ دوسری سندوں سے یہ متن نہ صرف صحیح بلکہ متواتر ہے۔ محدثین نے صحاح وغیرہ میں ان احادیث کی صحیح اور حسن سندیں جمع کیں۔ یہی متون جو ضعیف یا بے اصل سندوں سے تھے وہ ابن الجوزی وغیرہ نے تذکرۃ الموضوعات اور العلل المتناھیہ فی احادیث الواھیہ میں جمع کر دیئے۔ مشہور منکر حدیث حبیب الرحمٰن کاندھلوی نے تذکرۃ الموضوعات اور العلل المتناھیہ کو سامنے رکھ کر چار جلدوں میں ایک کتاب ''ہماری مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت'' مرتب کر ڈالی۔ محدثین کے نزدیک تو یہ متون ان سندوں سے ضعیف تھے مگر اس کا یہ مطلب نہیں

کہ یہ متون دوسری سندوں سے ہرگز ثابت نہیں لیکن ناواقف لوگ اس کی کتاب کو پڑھ کر یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاید فضائل علم، فضائل خلفاء راشدین وصحابہ رضی اللہ عنہم اور فضائل اہل بیت اور خصائص نبوی وغیرہ کے بارے میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں۔ پھر راویوں کے حالات نقل کرنے میں بھی اس نے جس دجل اور فریب سے کام لیا ہے اس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ ان کی توثیق نقل نہیں کی، جرح کا کوئی متفق علیہ سبب بیان نہیں کیا، نہ ہی یہ بتایا کہ جارح خارجی ہے یا ناصبی یا رافضی، متشدد ہے یا متعنت یا متعصب، مجروح اور جارح کے درمیان کتنا زمانہ ہے جارح اور ناقل کے درمیان کتنا وقفہ ہے، جارح اور مجروح کے درمیان کوئی دینی یا دنیاوی مخالفت تو نہیں، لیکن ایسی تحقیق تو وہ کرے جس کا مقصد احقاق حق ہو اور جس کا مقصد ہی جاہل عوام میں انکار حدیث اور اسلاف بیزاری پیدا کر کے ان کو دین سے بیزار کرنا ہو وہ کیوں ایسی تحقیق میں پڑے۔ اللہ تعالیٰ ایسے دھوکے بازوں سے اپنے دین اور مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

اصولِ حدیث وتقلید سے متعلق گیارہ سوالات کے جوابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال اول:

آج کل جو حدیث پاک کی کتابیں دستیاب ہیں، یہ کس زمانہ میں مرتب ہوئیں؟

جواب:

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی۔ باوجود اس کے کہ قرآن پاک بھی عربی زبان میں نازل ہوا، رسولِ اقدس ﷺ کی زبان بھی عربی تھی اور قرآن پاک کے اولین مخاطبین بھی اہل عرب تھے، تاہم قرآن پاک کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی تبیین یعنی وضاحت کا کام آپ کے سپرد تھا اور قرآن پاک کا معلم آپ ﷺ کو ہی قرار دیا گیا، جنھوں نے الفاظِ قرآن کو عملی جامہ کی شکل میں پیش فرمایا۔ اسی عملی جامہ کو قرآن نے ''اُسوۂ حسنہ'' قرار دیا اور اُمت میں اسی کا نام سنت نبوی ﷺ قرار پایا۔ جس طرح الفاظِ قرآن پاک سات ائمہ قرأت کے ذریعے اُمت کو مکمل طور پر اور متواتر اور یقینی طور پر ملے۔ تاہم جس علاقہ میں جس امام کی قرأت تلاوتاً متواتر ہوئی اس علاقہ میں اسی قرأت پر تلاوت جاری رہی۔ اس سے قرآن کی تلاوت بھی ہر ہر گھر میں جاری رہی اور اُمت میں اختلاف اور فتنہ کی نوبت بھی نہ آئی۔ ہر علاقہ میں جو لوگ نئے مسلمان ہوتے وہ سب اسی مروجہ قرأت پر تلاوت کرتے اور جو لوگ نئے پیدا ہوتے وہ بھی

اسی مروجہ قرأت پر تلاوت کرتے۔

الفاظِ قرآن کی طرح عمل بالقرآن جو آپ ﷺ نے فرمایا، جس کو اُسوہ حسنہ اور سنت نبوی ﷺ کہا جاتا ہے، یہ بھی اُمت کو مکمل اور عملاً متواتر شکل میں چار ائمہ کے ذریعے ملا۔ ان چار طریقوں کو مذاہب اربعہ کہا جاتا ہے۔ اب جس علاقہ میں جس امام کا مذہب درساً اور عملاً متواتر ہوگیا، وہ سب لوگ اسی مذہب کے مطابق سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے رہے، مثلاً ہمارے ملک پاک و ہند میں مذہب حنفی کی شکل میں نبی پاک ﷺ کی سنت پہنچی، یہاں لاکھوں لوگ جو وقتاً فوقتاً اسلام لائے وہ حنفی مذہب کے مطابق ہی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے رہے اور ان کی اولادیں بھی آج تک مذہب حنفی کے مطابق ہی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتی آرہی ہیں۔ جس طرح اس ملک کے لوگ قاری عاصم کوفیؒ کی قرأت پر ہی خدا کی کتاب کی تلاوت کرتے آرہے ہیں، الغرض اس ملک کے مسلمانوں نے علم قرآن سے، عمل سنت نبوی ﷺ سے اور تشریح فقہ حنفی سے لی۔

دورِ صحابہ کرامؓ:

قرآن پاک بہت سے حفاظ صحابہ کرامؓ نے مکمل طور پر حفظ کرلیا اور خلافت راشدہ میں مکمل قرآن سینہ کے ساتھ ساتھ سفینہ (مصحف) میں بھی محفوظ کرلیا اور سنت جو روزمرہ کا عمل تھا وہ مکمل ان کے عمل میں محفوظ ہوگیا اور اُمت کو عملی تواتر سے ملا۔ یہی عملی تواتر ائمہ اربعہ کی فقہوں کی بنیاد بنا۔ اسی لئے کتب فقہ میں دین مکمل اور متواتر و مشہور طریقہ سے مدون ہوا اور وہی مکمل اور متواتر مذہب آج تک چلا آرہا ہے۔

علاوہ ازیں جو مسائل روزانہ پیش نہ آتے تھے ان کی احادیث بعض صحابہ کرامؓ زبانی یاد فرما لیتے۔ ان میں حضرت ابوہریرہؓ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ اور بعض حضرات نوٹ بکوں کے انداز میں لکھ لیتے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ زیادہ مشہور تھے۔ ان کی نوٹ بک یا کتاب کا نام ''صادقہ'' تھا۔ اس دور میں رافضیت اور خارجیت نے جنم لیا۔ رافضیت نے تو اولین راویان حدیث صحابہ کرامؓ کو ناقابل اعتماد قرار دینے پر سارا زور صرف کردیا اور خارجیوں نے قرآن، قرآن کے نام سے گویا انکار حدیث کی بنیاد رکھی۔

دورِ تابعینؒ:

صحابہ کرامؓ کی مبارک زندگیوں کا اکثر حصہ میدان جنگ میں گزر گیا۔ ان میں روایتِ حدیث بھی عام تھی اور کتابتِ حدیث بھی، مگر اس کی مکمل تدوین کے لئے وقت نہ نکال سکے۔ دورِ تابعین میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک خط لکھا: ان عمر بن عبدالعزیز کتب الیٰ ابی بکر بن عمرو بن حزم ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ او سنته او حدیث عمر او نحو هذا فاکتبه لی فانی قد خِفتُ دروس العلم وذهاب العلماء (موطاامام محمدؒ ص۳۸۹)'' بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن عمرو بن حزم کو خط لکھا کہ دیکھو جو حدیث رسول اللہ ﷺ یا آپ کی سنت یا حضرت عمرؓ اور اس طرح کسی اور کی حدیث مل جائے، ان کو میرے لیے لکھ لو، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ علم مٹ نہ جائے اور علماء چلے نہ جائیں۔'' امام ابونعیم تاریخ اصبہان میں فرماتے ہیں کہ یہی خط حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہر ہر علاقے والوں کو تحریر فرمایا۔

علاقائی تدوین:

چنانچہ اس خط کے بعد ہر ہر علاقہ میں حدیث پاک کی تدوین کا کام زور پکڑ گیا، مگر یہ تدوین اپنے اپنے علاقہ میں جو صحابہؓ اور تابعینؒ تھے، ان کی احادیث کی حد تک محدود رہی۔ چنانچہ امام زہریؒ نے مدینہ منورہ میں مدنی احادیث کو جمع فرمایا اور امام شعبیؒ نے کوفی احادیث کو جمع فرمایا۔ امام شعبیؒ نے پانچ سو صحابہ کرامؓ کو پایا۔ ان کا وصال ۱۰۰ھ کے بعد ہوا۔ امام ابوبکر بن حزم ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے اور امام زہریؒ ۱۲۴ھ میں۔ امام شعبیؒ جوان تینوں حضرات سے سبقت لے گئے، یہ حضرت امام اعظمؒ کے اکابر شیوخ حدیث میں سے ہیں اور امام زہریؒ بھی حضرت امام صاحبؒ کے استاذ حدیث ہیں۔ اس علاقائی تدوین میں علم اسماء الرجال کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اپنے علاقے کے اکابر شیوخ جن سے احادیث لیتے تھے، ان کا تقویٰ وطہارت اور ان کی ثقاہت اس علاقہ میں متواتر اور یقینی ہوتی تھی۔

تبع تابعینؒ کا دور:

اس دور میں تدوین اور عام ہوئی اور اپنے علاقے کے علاوہ دور دراز کے علاقوں

کے سفر بھی شروع ہوئے۔ اس دور میں کثرتِ اسانید کا ذوق بھی بڑھا اور اس شوق میں مشہور مشائخ حدیث کے علاوہ غیر مشہور راویوں سے بھی روایات لی جانے لگیں۔ اب دو قسم کے راوی ہو گئے۔ ایک مشاہیر، دوسرے عوام۔ مشاہیر کی تعدیل وثقاہت تو متواتر تھی، عام راویوں پر کلام کی ابتداء ہوئی۔

حدیث کی صحت وضعف کا معیار:

لیکن اس دور میں بھی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا معیار صرف اسماء الرجال نہ تھا بلکہ تعامل تھا۔ اسی لئے امام مالکؒ حدیث کے بعد تعامل اہل مدینہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور امام محمدؒ تعامل اہل کوفہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام عبدالرزاق حدیث کے بعد فقہاء صحابہؓ کے فتاویٰ کا ذکر فرماتے ہیں، جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں شہر وعلاقہ میں فلاں اختلافی حدیث پر فلاں فقیہ کی رہنمائی میں عمل جاری رہا۔ اور فلاں علاقہ میں فلاں اختلافی حدیث پر فلاں فقیہ کی رہنمائی میں عمل جاری رہا۔ امام بخاری کے اُستاد امام مکی بن ابراہیمؒ فرمایا کرتے تھے: **کان ابو حنیفة زاهدًا عالمًا راغبًا فی الآخرة صدوق اللسان احفظ اهل زمانه.** (موفق ص ۲۱۴/ ج ۱) امام ابوحنیفہؒ دنیا سے بے رغبت، عالم آخرت کی طرف راغب، سچے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ (الحدیث) تھے۔ بلکہ اس دور میں محدثین ان کو حدیث کا شہنشاہ فرماتے تھے۔ (بغدادی) امام المحدثین حضرت علی بن جعد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: **ابو حنیفة إذا جاء بالحديث جاء به مثل الدر** (خوارزمی ص ۳۰۸/ ج ۲) کہ امام ابوحنیفہؒ کی حدیث سچے موتی جیسی ہوتی ہے۔ امام المحدثین، امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ ثقہ راویوں سے ہی صحیح احادیث لیتے ہیں اور اختلافی احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے آخری فعل کو اختیار فرماتے اور (احادیث کی صحت وضعف یا انتخاب میں صرف اپنی ذاتی تحقیق پر مدار نہ رکھتے، بلکہ علماء اہل کوفہ کے اتفاق کو اختیار فرماتے (الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۴۲) جو حدیث، قرآن پاک یا فقہاء اہل کوفہ کے اجماع کے خلاف ہوتی، اس کو شاذ قرار دے کر ترک فرما دیتے۔ (الانتقاء ص ۱۴۹)

خیرالقرون کا طرزِ عمل:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: إذا اختلف مذاهب الصحابة والتابعين في مسئلة فالمختار عند كل عالم مذهب أهل بلده وشيوخه لأنه أعرف بالصحيح من أقاويلهم من السقيم وأوعى للأصول المناسبة لها وقلبه أميل إلى فضلهم وتبحرهم (الانصاف) جب صحابہؓ اور تابعین کے مذاہب کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے ہیں تو ہر عالم اپنے شہر کے شیوخ و مجتہدین کے مذہب کو اختیار کرتا، کیونکہ وہ اپنے شہر کے مجتہد کے اقوال کے صحت وسقم کو خوب جانتا اور مجتہد کے اصولوں کو یاد رکھتا اور اس کا دل اس مجتہد کے فضل وتبحر کی طرف زیادہ مائل ہوتا (کیونکہ اس کے بارہ میں وہ تواتر اور یقین کے ساتھ جانتا۔)

امام مالکؒ کو خلیفہ نے کہا کہ اگر مؤطا کو ساری دنیا کا قانون بنا دیا جائے اور لوگوں کو اس پر جمع کیا جائے۔ تو امام مالکؒ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو، کیونکہ صحابہ کرامؓ میں فروعی اختلافات تھے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور ہر علاقے میں اس صحابی کا مسلک جاری ہو گیا۔ اب لوگوں کو اسی بات پر رہنے دو۔ یہی طریقہ خیرالقرون کے بعد بھی اہل سنت میں آج تک چلا آ رہا ہے کہ جس ملک میں جس مجتہد کا مذہب رائج ہو گیا، سب لوگ اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اس طرح سنت پر بھی مکمل عمل ہوتا ہے اور کوئی اختلاف اور جھگڑا بھی پیدا نہیں ہوتا۔

مابعد خیرالقرون:

خیرالقرون میں احادیث بھی جمع ہو گئیں اور فقہ کے چار مذاہب مدون ہو گئے۔ پہلی حدیث کی کتابوں میں فقہ کا ساتھ ذکر ہوتا، جیسے مؤطا امام مالک میں فقہاء اہل مدینہ کا تعامل مذکور تھا۔ مؤطا امام محمد میں اہل کوفہ کے فقہاء کا تعامل۔ ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق میں بھی احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہؓ اور تابعین کے فقہی فتاویٰ مذکور تھے۔ پھر اسی دور میں ائمہ اربعہ نے حدیث سے فقہ کو الگ کر کے صرف فقہی مذاہب کو مدون اور مرتب کرا دیا اور

چار مذاہب اہل سنت میں رائج ہو گئے۔ اب محدثین میں بھی یہ بات چلی کہ احادیث کو فقہی فتاویٰ سے الگ کر کے مرتب کیا جائے۔ اس لئے اصحاب صحاح ستہ نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ اب سوال یہ تھا کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے فقہی فتاویٰ شامل نہ کئے جائیں، صرف مرفوع احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان مرفوع احادیث میں بھی اختلافی احادیث تھیں، ان میں سے کن کو لیا جائے اور کن کو چھوڑا جائے، تو خیر القرون میں انتخاب کا یہ طرز تھا کہ جس علاقے میں جس اختلافی حدیث کو فقہاء میں تلقی بالقبول نصیب ہو جاتی، اس حدیث کو لیا جاتا اور جو حدیث اس علاقے کی تلقی بالقبول سے ٹکراتی اس کو شاذ سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا۔ اب طریقہ یہ ہو گیا کہ مابعد خیر القرون کے محدثین، ائمہ اربعہؒ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے۔ اس لئے اختلافی احادیث میں ان احادیث کا انتخاب کرتے جو ان کے امام کے مذہب کے موافق ہوتیں۔ دوسرے امام کے دلائل کو نقل کرنا وہ ضروری نہ سمجھتے تھے۔ اب ہم ان میں سے چند مشہور اور متداول کتابوں کی فہرست درج کرتے ہیں:

(۱) مسند امام اعظم ۱۵۰ھ	(۲) مؤطا امام مالک ۱۷۹ھ
(۳) مؤطا محمد ۱۸۹ھ	(۴) کتاب الآثار ابی یوسف ۱۸۲ھ
(۵) کتاب الآثار محمد ۱۸۹ھ	(۶) کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ ۱۸۹ھ
(۷) المدونۃ الکبریٰ ۱۹۱ھ	(۸) مسند الشافعی ۲۰۴ھ
(۹) ابوداؤد طیالسی ۲۰۴ھ	(۱۰) عبد الرزاق ۲۱۱ھ
(۱۱) مسند الحمیدی ۲۱۹ھ	(۱۲) سعید بن منصور ۲۲۷ھ
(۱۳) مسند ابی الجعد ۲۳۰ھ	(۱۴) ابن ابی شیبہ ۲۳۵ھ
(۱۵) مسند احمد ۲۴۱ھ	(۱۶) سنن دارمی ۲۵۵ھ
(۱۷) صحیح بخاری ۲۵۶ھ	(۱۸) صحیح مسلم ۲۶۱ھ
(۱۹) سنن ابن ماجہ ۲۷۳ھ	(۲۰) سنن ابوداؤد ۲۷۵ھ
(۲۱) جامع ترمذی ۲۷۹ھ	(۲۲) سنن نسائی ۳۰۳ھ
(۲۳) ابویعلیٰ ۳۰۷ھ	(۲۴) ابن الجارود ۳۰۷ھ

(۲۵) الکنی والاسماء دولابی ۳۱۰ھ (۲۶) تفسیر طبری ۳۱۰ھ
(۲۷) صحیح ابن خزیمہ ۳۱۱ھ (۲۸) ابوعوانہ ۳۱۶ھ
(۲۹) شرح معانی الآثار طحاوی ۳۲۱ھ (۳۰) مشکل الآثار ۳۲۱ھ
(۳۱) معجم صغیر طبرانی ۳۶۰ھ (۳۲) معجم الاوسط ۳۶۰ھ
(۳۳) المعجم الکبیر طبرانی ۳۶ھ (۳۴) عمل الیوم واللیلہ ۳۶۴ھ
(۳۵) کتاب العظمۃ ۳۶۹ھ (۳۶) الدارقطنی ۳۸۵ھ
(۳۷) ناسخ الحدیث ومنسوخہ ۳۸۵ھ (۳۸) مستدرک حاکم ۴۰۵ھ
(۳۹) سنن بیہقی ۴۵۸ھ (۴۰) شعب الایمان ۴۵۸ھ
(۴۱) معرفۃ السنن والآثار ۴۵۸ھ (۴۲) جامع بیان العلم ۴۶۳ھ
(۴۳) مسند الفردوس ۵۰۹ھ (۴۴) شرح السنۃ ۵۱۶ھ
(۴۵) ابن حبان ۳۵۴ھ (۴۶) ابن شاہین ۳۸۵ھ
(۴۷) الکامل ابن عدی ۳۶۵ھ (۴۸) حلیۃ الاولیاء ۴۳۰ھ
(۴۹) الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ (۵۰) المحلی لابن حزم ۴۵۷ھ
(۵۱) خطابی ۳۸۸ھ (۵۲) جامع الاصول ۶۰۶ھ
(۵۳) مشکوۃ ۷۳۷ھ (۵۴) نصب الرایہ ۷۶۲ھ
(۵۵) جامع المسانید ابن کثیر ۷۷۴ھ (۵۶) مجمع الزوائد ۸۰۷ھ
(۵۷) فتح الباری ۸۵۲ھ (۵۸) عمدۃ القاری ۸۵۵ھ
(۵۹) الجامع الکبیر ۹۱۱ھ (۶۰) کنز العمال ۹۷۵ھ

ان کتابوں کے مؤلفین یا تو اہل سنت مجتہدین ہیں یا اہل سنت مقلدین۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ نہ اس میں اجتہاد کی اہلیت تھی اور نہ ہی تقلید کرتا تھا، بلکہ غیر مقلد تھا۔ اس لئے اجتہاد کو کار ابلیس کہتا تھا اور تقلید کو شرک کہتا تھا۔

سوال دوم:

کیا دین میں سند مطلوب ہے یا نہیں؟ اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب:

سند کا اگر یہ مطلب ہے کہ حدثنا فلاں عن فلاں تو اس کا حکم نہ قرآن پاک میں ہے اور نہ کسی حدیث میں۔ اسی لئے ابتدائے اسلام میں اس کو ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فینظر إلٰی أھل السنة فیوخذ حدیثھم وینظر إلٰی اھل البدع فلا یوخذ حدیثھم (مقدمہ صحیح مسلم ص۱۱/ج۱) ''پہلے سند نہیں پوچھا کرتے تھے، جب فتنہ واقع ہوا تو کہنے لگے کہ راویوں کے نام بتاؤ تا کہ دیکھا جائے کہ اگر راوی اہل سنت ہوگا تو حدیث لی جائے گی اور اگر اہل بدعت ہوگا تو نہیں لی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ متقدمین نے تو اسناد کو مصلحتاً مخالفین اہل سنت کے واسطے نکالا تھا۔ اس کے بدعت حسنہ ہونے میں شک نہیں۔ یہ خود مقصود نہیں، بلکہ ایک مقصود کا ایک ذریعہ ہے۔ جس طرح اُمت کے انتظام کے لیے تقلید شخصی کا وجوب بالغیر ہے، اسی طرح سند کا لزوم بھی بالغیر ہے، بالذات نہیں۔ ابن سیرین کے بعد جن تبع تابعین یا بعد والوں نے سند کو ضروری کہا، عقلی دلائل سے کہا۔ کسی نے سند کو پرندے کے پروں سے تشبیہ دی، کسی نے اسلحہ سے تشبیہ دی۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ خیر القرون میں اس پر اتفاق تھا کہ اہل سنت کی حدیث لی جائے گی اور اہل بدعت کی حدیث نہیں لی جائے گی۔ لیکن خیر القرون کے ختم ہوتے ہی اس اتفاق کو ختم کر دیا گیا۔ خود بخاری و مسلم نے کتنے ائمہ اہل سنت سے حدیث نہیں لی اور ان کو چھوڑ کر اہل بدعت سے احادیث لیں اور آج کل سنت کے مسئلہ میں بہت افراط و تفریط ہو رہی ہے۔ ایک طرف اہل بدعت ہیں، وہ ثبوت مسئلہ کے لئے سرے سے کسی سند کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے اور خوب بے پر کی اُڑاتے ہیں۔ دوسری طرف غیر مقلدین ہیں۔ وہ متواترات کے لئے بھی سند تلاش کرتے ہیں۔ اگر نہ ملے تو انکار کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں گمراہی کے راستے ہیں۔ پہلی بات کا نقصان یہ ہے کہ بہت سی باتیں جن کا دین میں ثبوت نہیں ان کو دین میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ اور دوسری بات کا نقصان یہ

ہے کہ بہت سی متواترات تک کا انکار کر دیا جاتا ہے۔

راہِ اعتدال:

راہِ اعتدال اس میں یہی ہے کہ جس طرح سورج اور بدر کامل گواہی کے محتاج نہیں، اسی طرح متواتر کی چاروں اقسام اور مشہورات سند کی محتاج نہیں۔ دیکھو قرآن پاک متواتر ہے۔ اس کی آیات کی سندیں تلاش کرنا بے فائدہ ہے، بلکہ یقینی کو ظنی بنانا ہے۔ اسی طرح کتاب وسنت کی سمجھ کے لئے ہمیں لغت کی بھی سب سے پہلے ضرورت پڑتی ہے۔ مگر لغت کے لفظ مثلاً کتاب کا واضع کون ہے؟ اور اس تک کوئی سند ہے، ہرگز نہیں۔ مگر کوئی جاہل یہ نہیں کہتا کہ ساری لغت بے سند ہے، بے ثبوت ہے، بلکہ یہ متواتر اور یقینی الثبوت ہے۔ اسی طرح صرف، نحو، معانی، بیان اور منطق کے اصول واصطلاحات اہلِ فن کے ہاں متواتر یا مشہور ہیں۔ کوئی شخص نہ ہی ان کی سند تلاش کرتا ہے، نہ ہی ان کو بے ثبوت کہتا ہے۔ اسی طرح اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر اور اصولِ فقہ یا تصوف کی اصطلاحات اہلِ فن کے ہاں متواتر یا مشہور ہیں۔ ان کتابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے، نہ ہی ان کی سند تلاش کی جاتی ہے، نہ ہی ان کو بے ثبوت کہا جاتا ہے۔ راویوں کی بحث میں اسماء الرجال کی کتابوں تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، خلاصہ، تذکرۃ الحفاظ اور میزان الاعتدال کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ جن راویوں کو انہوں نے ثقہ یا ضعیف لکھا ہے وہ ان کتابوں کے مصنفین سے چھ سات سو سال پہلے کے ہیں۔ نہ جارح تک سند ہے، نہ جارح سے راوی تک۔ اسی لیے مولانا عبدالحیٔ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں: **أما الاعتماد على كتب الفقه الصحيحة الموثوقة بها فقد اتفق العلماء في هذا العصر على جواز الاعتماد عليها والاستناد عليها لان الثقة قد حصلت بها كما تحصل بالرواية ولذالک اعتمد الناس على الكتب المشهورة في لغة النحو والطب وسائر العلوم محصول الثقة بها وبعد التدليس ومن زعم ان الناس اتفقوا على الخطاء في ذالک فهو أولى بالخطاء منهم ولولا جواز الاعتماد على ذالک لتعطل كثير من المصالح المتعلقة بها، و كتب**

الحديث أولى بذالك من كتب الفقه وغيرها لاعتنائهم بضبط النسخ وتحريرها، فمن قال أن شرط التخريج من كتاب يتوقف على اتصال السند فقد خرج من الاجماع. نقله عن عزالدين بن عبدالسلام (الاجوبة الفاضلة ص ۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین زمانہ کی یہ روش کہ فقہ کی کتاب مشہورہ کی سند مانگتے ہیں، مگر لغت، صرف، نحو، اسماء الرجال، قرآن پاک کی سند نہیں مانگتے، ضد اور جہالت ہے۔ مشہورات کی سند مانگنا خرقِ اجماع ہے اور قرآن پاک نے خرقِ اجماع کو جہنمی قرار دیا ہے۔ أعاذنا الله منه.

سند عالی:

محدثین کے ہاں سند عالی کی بہت اہمیت ہے اور اس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مقام بعد والوں میں سب سے بلند ہے۔ ان کی مسند میں وحدانیات بھی ہیں، جن میں امام صاحبؒ اور نبی اقدس ﷺ کے درمیان ایک ہی واسطہ ہے اور وہ بھی صحابی کا۔ بہت سی سندیں ثنائیات ہیں، جن میں دو ہی واسطے ہیں: صحابی اور تابعی کا۔ کتب صحاح ستہ وحدانیات اور ثنائیات سے بالکل خالی ہیں۔ ان کی اعلیٰ ترین سندیں ثلاثیات ہیں۔ امام اعظم کی نازل سندیں ثلاثیات ہیں۔ فاین الثریا من الثری. اسی طرح امام صاحبؒ نے صحابہؓ کی بھی زیارت کی اور صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین کا متواتر عمل ان کے مشاہدہ میں تھا، جس سے اصحاب صحاح ستہ محروم رہے۔

تعلیقات:

مؤطا امام مالک اور کتب امام محمد میں بعض بلاغات ہیں جن کی سند مذکور نہیں۔ اسی طرح بخاری میں تقریباً ۱۳۴۱ تعلیقات ہیں، جن میں سے ۱۶۰ کو تو امام بخاریؒ نے موصول فرمایا ہے، لیکن ۱۱۵۷ کو انہوں نے موصول نہیں فرمایا۔ البتہ ان میں سے اکثر کی سندیں حافظ ابن حجر نے تعلیق التعلیق میں جمع کی ہیں۔ پھر بھی کئی ایک تعلیقات کی سندیں نہیں ملیں، اسی طرح امام ترمذی فی الباب لکھ کر بہت سے نام بغیر سند کے لکھ دیتے ہیں۔

حضرت مولانا حبیب اللہ مختارؒ سابق رئیس الجامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی، ان کی تخریج اپنی مشہور کتاب کشف النقاب میں فرمارہے تھے، یہ کتاب مکمل ہو جائے تو ان شاء اللہ العزیز احادیث کا عظیم انسائیکلو پیڈیا ہوگا۔ تاہم بعض جگہ حضرت فرماتے ہیں کہ اس کی سند نہیں ملی۔ ایسی احادیث جن کی سند مذکور نہ ہو تعلیقات کہلاتی ہیں۔ ایسی احادیث کتب حدیث میں بھی ہوتی ہیں اور کتب فقہ میں بھی۔ غیر مقلدین کی کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ اگر بے سند حدیث بخاری، ترمذی، مؤطا یا کسی اور حدیث کی کتاب میں ملے تو اس کو تعلیق کہتے ہیں، لیکن اگر فقہ کی کتابوں میں ملے تو اس کا نام جھوٹ، بہتان اور موضوع رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ قیامت تک ان کے کسی راوی کو وضع الحدیث ثابت نہیں کر سکتے۔ ایسی احادیث کے بارے میں راہِ اعتدال یہی ہے کہ اس کو حجت ملزمہ تو نہیں مانا جا سکتا لیکن جن کو اکابر فقہائے تقویٰ وثقاہت پر اعتماد ہے، ان کے لئے وہ حجت مطمئنہ کا درجہ ضرور رکھتی ہیں۔ اس لئے فقہی کتابوں میں جیسے فقہاء ان کو نقل در نقل کرتے آرہے ہیں بطور حجت مطمئنہ درست ہے۔

احکام:

احکام میں ایسی احادیث سے استدلال کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔ چار راوی میں، چار روایت میں۔ راوی کے بارے میں چار یہ ہیں: عقل، ضبط، عدالت، اسلام (المنار ص ۱۸۱) روایت کے بارے میں چار شرطیں یہ ہیں: وہ خبر واحد کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو، سنت معروفہ کے خلاف نہ ہو، حادثہ مشہور سے متعلق نہ ہو اور صدر اول میں متروک الاحتجاج نہ ہو (المنار ص ۱۸۵)

ضعیف سندیں:

حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف احادیث کے بارے میں تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ وہ مطلقاً مردود ہے ھذا مذھب. دوسرا یہ ہے کہ مطلقاً مقبول ہے وھو توسع سخیف. تیسرے قول میں تفصیل ہے اور یہ مذہب مضبوط ہے (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۳)۔ وہ تفصیل یہ ہے کہ ترغیب وترہیب اور فضائل ومناقب میں بالاتفاق

مقبول ہے اور احکام میں تین شرائط کے ساتھ مقبول ہے: (۱) شدید الضعف نہ ہو، (۲) وہ مسئلہ کسی اصول کلی کے تحت درج ہوسکتا ہو، (۳) اعتقادِ ثبوت کا نہ رکھے، احتیاط کا رکھے۔

سوال سوم:

کیا مندرجہ بالا کتابوں میں درج تمام احادیث صحیح ہیں اور لازم العمل ہیں؟

جواب:

ان کتابوں میں درج احادیث بعض صحیح لذاتہٖ ہیں، بعض صحیح لغیرہٖ ہیں، بعض حسن لذاتہٖ ہیں، بعض حسن لغیرہٖ ہیں۔ یہ چاروں اقسام احکام میں حجت ہیں اور ضعیف احادیث بھی ہیں۔ زمانہ حال کے مشہور غیر مقلد ناصر الدین البانی نے تو یہاں تک ظلم کیا ہے کہ سنن اربعہ کے الگ الگ حصے صحیح اور ضعیف شائع کر دیئے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے تین لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے تین ہزار ایک سو پندرہ احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا، مگر البانی نے اس میں سے ۸۳۲- احادیث کو نکال کر الگ ''ضعیف ترمذی'' کے نام سے شائع کر دیا۔ اسی طرح امام ابوداؤدؒ نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے ۴۸۰۰- احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا۔ مگر البانی نے اس مجموعہ میں سے ۱۱۲۷- احادیث کو نکال کر ''ضعیف ابوداؤد'' کے نام سے الگ کر دیا۔ اسی طرح امام ابن ماجہؒ نے چار لاکھ احادیث سے ۴۰۰۰- احادیث کا مجموعہ سنن ابن ماجہ کے نام سے مرتب فرمایا۔ مگر البانی نے ۹۴۸- احادیث کو ابن ماجہ سے الگ کر کے ''ضعیف ابن ماجہ'' کے نام سے شائع کر دیا۔ امام نسائیؒ نے دو لاکھ احادیث سے ۴۳۲۱- احادیث کا مجموعہ سنن نسائی کے نام سے مرتب فرمایا، مگر البانی نے ۴۴۷- احادیث کو نسائی سے نکال کر الگ ''ضعیف نسائی'' کے نام سے شائع کر دیا۔ اسی طرح البانی نے سنن اربعہ جو صحاحِ ستہ میں شامل ہیں، ان کی ۳۳۳۴- احادیث کو ضعیف قرار دے دیا۔ اب غیر مقلدین غور فرمائیں کہ وہ روافض اور منکرین حدیث کو ساتھ ملا کر بھی فقہ حنفی کے متونِ معتبرہ ''الھدایہ، مختصر القدوری، الوقایہ، کنز'' سے اس کے عشرِ عشیر کے برابر بھی ضعیف اقوال نہیں نکال سکتے ﴿ولو کان بعضھم

لبعض ظهیرًا﴾ اسی طرح امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث سے بحذف مکررات ۲۷۶۲-احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا۔ امام دارقطنی الشافعی نے اپنی کتاب الالزامات والتتبع میں ۲۲۰- احادیث پر اعتراض کیا۔ البانی نے مسلم کی بھی کئی احادیث پر اعتراض کیا۔ امام شعرانیؒ (مقلد امام شافعیؒ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تین مسانید کا مطالعہ کیا اور سب احادیث کو صحیح پایا (میزان شعرانی) اس کے برعکس محدث علاؤ الدین الدمشقی فرماتے ہیں کہ میں نے مسند احمد کا مطالعہ کیا: ان فیه احادیث ضعیفة كثيرة وان فيه احاديث يسيرة موضوعة (الاجوبہ ص ۴۸) بے شک اس میں بہت سی حدیثیں ضعیف ہیں اور کچھ حدیثیں من گھڑت بھی ہیں، اسی طرح علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ دارقطنی کی کتابوں میں احادیث سقیمہ، معلولہ، غریبہ، موضوعات ہیں (الاجوبۃ الکاملۃ الفاضلہ ص ۴۶) اسی طرح تصانیف بیہقی، تصانیف خطیب، تصانیف عالم بھی ایسی روایات سے بھری ہوئی ہیں (ایضاً ص ۴۶) اور ابن حبانؒ کی کتابیں حاکم کی مستدرک جیسی ہیں (ایضاً) آخر میں مولانا عبدالحیٰ فیصلہ فرماتے ہیں: هذه عبارات العلماء قد افادت وجود المنكرات والضعاف في الكتب المدونة. (ص ۴۹) یعنی علماء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ احادیث کی کتابوں میں منکرات اور ضعاف موجود ہیں۔

سوال چہارم:

جب کہ ان کتابوں میں صحیح، ضعیف، منکر، موضوع، ناسخ، منسوخ، ہر قسم کی احادیث ہیں، تو کیا عام اُردو دان ان کتابوں کے تراجم پڑھ کر دین پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:

ان کتابوں کی مثال ڈاکٹری کی کتابوں کی ہے، جس میں (مثلاً) بخار کے بیس نسخے لکھے ہوں اور وہ متضاد بھی ہوں۔ کوئی گرمی کے بخار کا، کوئی سردی کے بخار کا۔ کوئی کسی مزاج کا اور کوئی کسی مزاج کا۔ تو مریض خود اس سے اپنے لیے نسخہ نہیں لکھ سکتا۔ کسی ماہر فن ڈاکٹر کی تقلید اور راہنمائی میں ہی علاج کروانا ضروری ہے۔ جس طرح مرض کی تشخیص اور نسخہ

کی تجویز میں ڈاکٹر اپنے تجربہ اور رائے کو کام میں لاتا ہے۔ اسی طرح محدثین بھی اپنی رائے اور اجتہاد سے کسی حدیث کو صحیح اور کسی کو ضعیف وغیرہ کہتے ہیں۔ جس طرح مجتہد کا اجتہاد اس مجتہد کے لئے حجت مطمئنہ ہے' لیکن دوسرے مجتہد پر حجت نہیں۔ اسی طرح ایک محدث کی رائے دوسرے محدث پر بھی حجت نہیں' چہ جائیکہ کسی عالمگیر مجتہد کو اس محدث کی رائے کی تقلید پر مجبور کیا جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ غیر مقلدین جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں' ان سے کم درجہ محدثین کی تقلید کو فرض مانتے ہیں۔

سوال پنجم :

کیا ان محدثین میں احادیث کو صحیح یا ضعیف کہنے میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے؟

جواب :

اجتہادیات میں اختلاف تو ہوتا ہی ہے' کوئی محدث ایک حدیث کو صحیح کہتا ہے' دوسرا اس کو موضوع اور من گھڑت تک کہہ گزرتا ہے۔ دیکھو امام ابن الجوزی نے صحیحین کی احادیث تک کو موضوع کہہ ڈالا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں وھناك خلق كثير من المحدثين لهم تشدد فى الجرح او تساهل فى الحكم بالضعف والوضع مع جلالة قدرهم ورفعة ذكرهم (الاجوبہ الفاضلہ ص ۵۳) کہ بہت سے محدثین جو بڑے جلیل القدر ہیں اور ان کا ذکر محدثین میں بہت بلند ہے۔ ان میں بہت سے جرح میں متشدد ہیں اور بہت سے بہت متساہل ہیں (متشددین صحیح احادیث کو ضعیف بلکہ موضوع تک کہہ جاتے ہیں جس کی مثال دور حاضر میں البانی کی الاحاديث الضعيفه والموضوعه ہے اور متساهلين ضعاف اور موضوعات تک کو صحیح کہہ جاتے ہیں)۔

سوال ششم :

جب محدثین میں احادیث کی صحت اور ضعف میں رائیں مختلف ہیں تو پھر ان میں سے کس کی تقلید کرنی چاہئے؟

جواب :

تحقیق میں تین باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔(۱) یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں۔(۲) اس کا مطلب کیا ہے'(۳) اگر یہ حدیث کسی دوسری نص یا تعامل سے ٹکرا رہی ہے تو ان میں سے کونسی راجح ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور کونسی مرجوح ہے جس کو ترک کیا جائے۔ محدثین صرف پہلی بات کی تحقیق میں اپنی رائے صرف کرتے ہیں۔ دوسری اور تیسری بات میں وہ خود مجتہدین کے محتاج اور مقلد ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کامل تحقیق بھی مجتہدین کی ہے اور کامل تقلید بھی ان کی ہی ہو سکتی ہے۔اس لئے دیکھا جائے گا کہ ان کتب احادیث میں جو ایسی احادیث ہیں کہ چاروں ائمہ کرام کا ان پر عمل کرنے میں اتفاق ہے تو ان احادیث پر اجماعاً عمل کیا جائے گا۔ اور جن احادیث کے راجح یا مرجوح ہونے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے ان میں وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا جو خیر القرون سے آج تک چلا آ رہا ہے اور فتنہ سے بھی بالکل محفوظ ہے کہ جس مجتہد کا مذہب جس علاقہ میں متواتر ہو گا' اس نے ان اختلافی احادیث میں جس کو راجح قرار دیا اسی پر عمل کیا جائے گا۔ وہاں کے متواتر عمل کے خلاف دوسری حدیث پر عمل کر کے علاقہ میں فتنہ فساد کھڑا نہ کیا جائے گا۔ جہاں سب حنفی ہوں گے وہ امام صاحب کے مختارات پر عمل کریں گے۔ جہاں شافعی ہوں گے وہ امام شافعی کے مختارات پر عمل کریں گے۔ تاکہ سنت پر بھی عمل ہو جائے اور امت فتنہ سے بھی محفوظ رہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ اختلاف قراءت کے وقت ہر علاقہ میں وہی قراءت پڑھی جائے گی جو وہاں تلاوت میں معروف اور متواتر ہے یا جیسے سعودیہ والے عید ہی پڑھیں گے مگر ہم روزہ ہی رکھیں گے۔

سوال ہفتم :

اگر کوئی آدمی کتب حدیث کا ترجمہ دیکھے' جو حدیث اسے زیادہ صحیح معلوم ہو اس پر عمل کرے تو کیا جائز ہے' یا گناہ ہے تو کس درجہ کا؟

جواب :

قاضی القضاء امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں: العامی اذا سمع حدیثا لیس لہ ان یاخذ بظاھرہ لجواز ان یکون مصروفا عن ظاھرہ او منسوخا بخلاف الفتوٰی (الکفایہ ص ۲۹۴ ج ۲) یعنی عام آدمی جب سنے کسی حدیث کو تو جائز نہیں کہ وہ ظاہر حدیث سے جو سمجھا ہے اس پر عمل کرے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ظاہری معنی اس کے مراد نہ ہوں یا منسوخ ہو بخلاف فتوٰی کے (کیونکہ یہ شبہ فتوٰی میں نہیں' اس لئے کہ مجتہد نے پوری تحقیق کے بعد فتوٰی دیا ہے۔ حضرت قاضی صاحب کا یہ ارشاد ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ عام آدمی اگر دنیا کے سب سے بڑے ڈاکٹر کی کتاب میں کوئی نسخہ پڑھے تو عامی کو جائز نہیں کہ اپنی سمجھ کے مطابق اس نسخہ کو اپنی بیماری میں استعمال کرے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ نسخہ اس مریض کے مزاج کے خلاف ہو اور اس کی بیماری کو مزید پیچیدہ کردے۔ اس کے برخلاف اگر وہ مریض ماہر ڈاکٹر سے نسخہ لکھوائے تو اس نسخہ میں وہ شبہ نہیں ہو سکتا' کیونکہ ماہر نے موسم کا حال دیکھ کر' پھر مریض کا مزاج پرکھ کر نسخہ تجویز فرمایا ہے۔ انما شفاء العی السوال (الحدیث)

اور اسی کفایہ میں یہ بھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "یعنی لائق یہی ہے کہ مفتی ایسا شخص ہو جس سے سب لوگ مسئلہ فقہ کا پوچھتے ہوں اور علم فقہ کو سیکھتے ہوں اور اس شہر میں اس کے فتوٰی پر اعتماد رکھتے ہوں اور مفتی جب اس طرح کا ہو تو عامی پر پیروی اس کی واجب ہے۔ اگرچہ مفتی خطاء بھی کرے۔ عامی اس مفتی کی پیروی کے سوا اور کسی کا اعتبار نہ کرے (نہ اپنی ناقص رائے پر اعتماد کرے' نہ کسی دوسرے غیر مجتہد کی ناقص رائے پر اعتماد کرے) روایت کیا اس کو امام حسن نے امام ابوحنیفہؒ سے' اور ابن رستم نے امام محمدؒ سے اور بشیر نے ابویوسفؒ سے (الکفایہ ص ۲۴۹ ج ۲) اور تقریر شرح تحریر میں ہے "عامی کو حدیث کے ظاہر کے موافق عمل کرنا درست نہیں ہے' شاید اس کے ظاہر معنی مراد نہ ہوں یا وہ منسوخ ہو بلکہ (عمل بالحدیث میں) کسی مجتہد کی تقلید اس پر واجب ہے۔ اس واسطے کہ اس عامی کو معلوم نہیں ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی غیر صحیح ہے اور کونسی ناسخ ہے اور کونسی

منسوخ ہے۔ پھر ایسا عامی شخص جب اپنے ناقص فہم پر اعتماد کرکے کسی حدیث پر عمل کرے گا تو اس نے اس واجب کو چھوڑ دیا جو اس پر تھا کہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ یعنی سوال کرو امور دینی میں جاننے والوں سے' اگر تم نہیں جانتے (بحوالہ شرعی فیصلے ص ۳۴۳) اور سب جانتے ہیں کہ واجب کا ترک گناہ ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ (بخاری) جب کوئی معاملہ نا اہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت ٹوٹنے کا انتظار کر۔

سوال ہشتم :

جب حدیث کی کتابوں میں ہر زمانہ کی احادیث موجود ہیں' ناسخ بھی اور منسوخ بھی' تو کیا یہ محدثین صراحت کرتے ہیں کہ فلاں ناسخ ہے اور فلاں منسوخ ہے؟

جواب :

ایک تو نسخ حقیقی ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ فرمادیں کہ میں نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' اب اجازت دیتا ہوں۔ تو قبروں کی زیارت سے منع کی حدیث منسوخ ہوگئی ہے اور اجازت کی حدیث ناسخ قرار پائی۔ دوسرا نسخ اجتہادی ہوتا ہے کہ اجتہادی قرائن سے کسی حدیث کا مقدم یا موخر ہونا معلوم ہو جائے۔ اس بارے میں امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح مسلم ص ۱۵۶' ج ا پر آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کی احادیث ذکر کی ہیں۔ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے ان پر باب الوضو مما مست النار باندھا ہے اور شرح میں فرماتے ہیں کہ امام مسلم پہلے وہ احادیث لائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر وہ احادیث لائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ گویا وہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ وضو ٹوٹنے والی احادیث منسوخ ہیں۔ امام مسلم اور دوسرے ائمہ حدیث کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے منسوخ احادیث لکھتے ہیں اور بعد میں ناسخ (نووی شرح صحیح مسلم ص ۱۵۶' ج ا) امام نووی نے محدثین کا قاعدہ بیان فرمادیا کہ وہ احادیث کے ساتھ ناسخ یا منسوخ کا لفظ نہیں لکھتے۔ البتہ ان کا

اصول یہ ہے کہ پہلے پہلے زمانہ کی یعنی منسوخ احادیث لاتے ہیں اور بعد میں بعد والے زمانہ کی یعنی ناسخ احادیث لاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ وضاحت حدیث کی ان کتابوں سے ہوگی جن میں دونوں طرح کی احادیث ہوں۔ اگر کسی کتاب میں صرف ایک پہلو کی احادیث ہوں تو یہ پتہ نہیں چل سکے گا کہ یہ حدیث پہلے زمانے کی ہے یا بعد کے زمانے کی۔

مثال اول :

امام بخاری نے بھی ص۹۶ ج۱ پر یہ اصول تحریر فرمایا ہے: انما یوخذ بالاخر فالاخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ آنحضرت ﷺ کے آخری عمل کو اختیار کیا جائے گا۔ پھر ص۱۰۲ ج۱ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ سے دو احادیث رفع یدین کرنے کی لائے ہیں، مگر ایک پہلو کی احادیث لائے ہیں۔ اس لئے پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ رفع یدین کی احادیث پہلے زمانے سے متعلق ہیں یا بعد کے زمانے سے۔ ہاں امام بخاری کے دادا استاد عبدالرزاقؒ اپنی مصنف میں پہلے رفع یدین کی احادیث لائے ہیں اور بعد میں ترک رفع یدین کی۔ اور امام بخاری کے استاد امام ابوبکر بن ابی شیبہ بھی پہلے رفع یدین کرنے کی احادیث لائے ہیں اور پھر ترک رفع یدین کی۔ اسی طرح امام بخاری کے جلیل القدر شاگرد امام نسائی اپنی سنن میں ص۱۵۸ ج۱ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ کی رفع یدین والی وہ دونوں احادیث لائے ہیں جو امام بخاریؒ ص۱۰۲، ج۱ پر لائے ہیں اور بعد میں ترک ذالک کا باب لا کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے بخاری ص۱۰۲، ج۱ والی دونوں احادیث کو متروک قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام مسلم رفع یدین کی تین احادیث لائے، دو بخاری والی یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ سے ص۱۶۸، ج۱ اور تیسری حضرت وائل بن حجرؓ سے ص۱۷۳، ج۱۔ ان کے بعد امام نسائی ص۱۶۱، ج۱ پر مسلم والی تینوں احادیث لائے ہیں اور ان کے بعد الرخصة فی ترک ذالک کا باب باندھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترک رفع یدین کی حدیث لائے ہیں۔ اسی طرح امام ترمذیؒ جو امام بخاریؒ کے چہیتے شاگرد ہیں وہ

بھی رفع یدین کی حدیث لاکربعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین والی حدیث لائے ہیں۔ اور امام ابوداؤد بھی رفع یدین کی احادیث ذکر کرکے بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین والی احادیث لائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے اساتذہ اور تلامذہ بھی اس بات پر اتفاق کر رہے ہیں کہ رفع یدین کرنے کی احادیث پہلے زمانہ کی ہیں اور منسوخ ہیں اور ترک رفع یدین کی احادیث آخری زمانہ کی ہیں اور ناسخ ہیں۔ خود امام بخاریؒ اگرچہ صحیح بخاری میں رفع یدین کی احادیث لکھ کر ان کے بقاء یا نسخ سے خاموش گزر گئے ہیں مگر جزء رفع یدین میں امام اوزاعیؒ سے نقل فرماگئے ہیں کہ نماز کے اندر کھڑے ہوکر جن تکبیرات کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے ذالك الامر الاول یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے (جزء رفع یدین ص۶۹) اب ظاہر ہے کہ تکبیر تحریمہ تو شرط نماز ہے اور خارج ہے۔ رکوع سے پہلے کھڑے ہوکر رفع یدین، رکوع سے اٹھنے کے بعد کھڑے ہوکر رفع یدین اور تیسری رکعت میں کھڑے ہوکر رفع یدین کو ہی امام اوزاعیؒ امراول فرمارہے ہیں۔ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں کہ پہلے ترک کی حدیث ہو، پھر رفع کی۔

مثال دوم :

امام نسائی پہلے قراءت خلف الامام کے بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے قرآن پاک کی ۱۱۳ سورتیں پڑھنے سے منع فرمایا اور صرف فاتحہ کی اجازت دی۔ اس کے بعد آیت واذا قرئ القران (الایہ) لاکر اس کی تشریح واذا قرأ فانصتوا کے ارشاد رسول ﷺ سے فرماکر یہ واضح فرمادیا کہ ۱۱۳ سورتیں تو فرش والے (نبی پاک ﷺ) نے ہی منع فرمادی تھیں، صرف فاتحہ رہ گئی تھی، اس سے منع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عرش سے حکم انصات نازل فرمایا اور رسول اقدس ﷺ نے بھی مقتدیوں کو یہی حکم دے کر فاتحہ پڑھنے سے ہمیشہ کے لئے منع فرمادیا۔ اسی طرح امام ترمذیؒ پہلے باب القراءت خلف الامام باندھتے ہیں اور اس میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لاتے ہیں کہ ۱۱۳ سورتیں منع ہیں۔ امام کے پیچھے صرف فاتحہ کی قراءت کی

اجازت ہے' پھرباب ترک القراءۃ خلف الامام باندھ کر منع کی حدیث لائے ہیں کہ جس فاتحہ کی اجازت پہلے باب میں تھی اب وہ بھی متروک اور ممنوع ہوگئی ہے۔ اسی طرح امام ابوداؤد پہلے حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں کہ امام کے پیچھے قرآن کی ۱۱۳ سورتیں پڑھنی منع ہیں مگر فاتحہ کی اجازت ہے۔ اس کے بعد اسی فاتحہ خلف الامام کے مکروہ ہونے کا باب لائے ہیں۔ امام بخاریؒ کے استاذ حدیث امام ابوبکر بن ابی شیبہ بھی پہلے قراءت خلف الامام کی رخصت کا باب لائے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی رخصت ہے' پھرباب من کرہ القراءۃ خلف الامام لاکر واضح فرمادیا کہ فاتحہ کی رخصت ختم کردی گئی۔ اب اس کا بھی امام کے پیچھے پڑھنا مکروہ ہے۔ جب کہ صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں دکھایا جاسکتا کہ اس نے پہلے فاتحہ خلف الامام کے مکروہ و ممنوع ہونے کا باب باندھا ہو اور پھر فاتحہ خلف الامام کی رخصت یا وجوب کا باب باندھا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین نے پہلے لوگوں کو فقہ کی کتابوں سے بدظن کیا' اب صحاح ستہ کی کتابوں کا نام لے کر بھی سادہ لوح عوام کو دھوکا دے رہے ہیں کہ پہلے زمانہ کی احادیث تقریر و تحریر میں بیان کرتے ہیں اور بعد والی چھپا جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اگر یہی کام کوئی عیسائی کرے کہ بیت المقدس والی حدیث دکھادے اور بیت اللہ والی بعد کے زمانے کی نہ دکھائے تو اسے دھوکے باز کہا جائے۔ یہی کام کوئی رافضی کرے کہ پہلے زمانے کے متعہ کے واقعات دکھائے اور بعد والی منع کی روایات نہ دکھائے تو اس کو دھوکے باز کہا جائے' یہ کام کوئی شرابی کرے کہ پہلے دور کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے شراب پینے کے واقعات دکھائے اور بعد والی منع کی روایات نہ دکھائے تو اسے دھوکا کا نام دیا جائے' مگر یہی کام غیر مقلد کرے تو اس کا نام عمل بالحدیث رکھا جائے۔

سوال نہم : مجتہد اور غیر مجتہد میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟

جواب :

اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ علم حساب ایک علم ہے۔ سب سے پہلے اس کے

قاعدے بنائے گئے، جس نے وہ قاعدے بنائے، جن پر سارے علم حساب کا مدار ہے، اس شخص کو حساب کا مجتہد مطلق کہا جائے گا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو حساب کا کوئی نیا قاعدہ تو نہیں بنا سکتا، لیکن بنائے ہوئے قاعدوں کو خوب سمجھتا ہے اور ان قاعدوں کو استعمال کر کے حساب کے نئے پیش آنے والے سوالات کا جواب نکال سکتا ہے۔ یہ گویا علم حساب کا مجتہد فی المذہب ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو نہ حساب کا کوئی قاعدہ بنا سکتا ہے، نہ خود نئے سوال کا جواب نکال سکتا ہے، بلکہ کسی حساب دان کے جواب تسلیم کر کے عمل کر لیتا ہے۔ اس کو مقلد کہتے ہیں۔

اسی طرح مجتہد مطلق وہ ہے جو کتاب و سنت سے قواعد کلیہ کا استنباط کرے، یہی مجتہد مطلق کا امتیاز ہے، اور جو خود اصول و قواعد تو وضع نہ کر سکے مگر مجتہد مطلق کے قواعد کو خوب سمجھتا ہو، قواعد میں تعارض کے وقت راجح مرجوح کو جانتا ہو، اسے مجتہد فی المذہب کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مجتہد کا امتیاز قواعد کے مطابق ادلہ اربعہ سے احکام کا استنباط اور اخذ ہے، اور مجتہد قیاس سے مسائل گھڑتا نہیں بلکہ اس کا قیاس مظہر احکام ہوتا ہے، جیسے حساب کے قاعدے کا جواب مثلاً ۹x۹ = ۸۱ کسی حساب دان کی ذاتی رائے نہیں ہوتی، بلکہ حساب کا جواب ہوتا ہے۔ اسی طرح فقہ امام کی ذاتی رائے نہیں ہوتی بلکہ کتاب و سنت کے قواعد سے کتاب و سنت کے پوشیدہ مسائل کو نکالا جاتا ہے۔

سوال دہم :

اگر چاروں اماموں کو برابر کے درجہ میں مانا جائے اور کسی مسئلہ میں ایک کی تقلید کرے، کسی میں دوسرے کی۔ تو کیا اس میں سہولت نہیں؟ اور یہ طریقہ بہتر نہیں؟

جواب :

اول: برابر ماننے کا مطلب اگر یہ ہے کہ سب کو ماجور جانے اور کسی پر اعتراض نہ کرے۔ تو یہ درست ہے، لیکن سب کو ایک ہی درجہ میں لازم الاتباع جانے تو اس سے اجتماع نقیضین اور محال لازم آتا ہے، کیونکہ ائمہ کرامؒ میں حلال و حرام کا اختلاف ہے۔

جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سب برحق ہیں۔ایمان سب پر لازم ہے' مگر اتباع سب کی لازم نہیں' کیونکہ ان میں بھی حرام و حلال کا اختلاف ہے۔اگر سب کو لازم الاتباع مانا جائے تو سجدہ تعظیمی جائز بھی ہو گا اور حرام بھی۔عین اس وقت جب سجدہ تعظیمی کر رہا ہو گا' اس کی حرمت کا اعتقاد بھی ہو گا اور جب حرام کہہ رہا ہو گا' اس کے جواز کا اعتقاد بھی ہو گا۔تو ایک ہی چیز ایک وقت میں حلال بھی ہو گی اور حرام بھی۔بلکہ نہ حرام رہے گی نہ حلال اور تکلیف شرعی باطل ہو جائے گی۔اس سے بچنے کے لئے ناسخ منسوخ کو ماننا پڑا' ہم سب پر ایمان رکھیں گے مگر منسوخ پر عمل نہیں کریں گے۔ناسخ پر عمل کریں گے۔اس طرح سب پر ایمان بھی برقرار رہا اور کوئی محال بھی لازم نہ آیا۔جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام عقائد میں سب متفق تھے۔احکام میں حلال حرام کا اختلاف تھا۔اسی طرح عقائد میں چاروں امام متفق ہیں اور سب کے سب اہل السنت والجماعت ہیں' مگر احکام فرعیہ اجتہادیہ میں حلال و حرام کا اختلاف ہے۔ایک چیز ایک امام کے ہاں حلال ہے دوسرے کے ہاں حرام ہے۔جب ایک شخص سب کو برابر درجہ میں لازم الاتباع مانے گا تو ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں اس کے لئے حلال بھی ہو گی اور حرام بھی تو اجتماع نقیضین لازم آیا۔اگر کہو کہ ایک دن اس کو حلال سمجھ کر استعمال کرے گا' دوسرے دن حرام سمجھ کر چھوڑ دے گا۔تو سوال یہ ہے کہ جب حلال سمجھ کر استعمال کر رہا ہو گا' ذہن میں اس کی حرمت کا اعتقاد ہو گا یا نہیں۔اگر ہو گا تو عقیدہ میں اجتماع حلال و حرام کا آنا لازم ہے جو محال ہے اور اگر حرمت کا اعتقاد نہ ہو گا تو دوسرے امام کے مسئلہ کا انکار ہو گا تو سب کا برابر ماننا ختم ہو گیا۔اس لئے یہاں راجح مرجوح کو اختیار کیا گیا کہ ہم راجح پر عمل کریں گے' مرجوح کو چھوڑ دیں گے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی امام کی تقلید کی جائے۔

دوم : نیز جب ائمہ میں حلال حرام کا اختلاف ہے تو امر مختلف فیہ ایک جانب کو ترجیح دینے کا منشا کیا ہو گا۔ا۔ دلیل شرعی تفصیلی ادلہ اربعہ سے یا تلہی اور خواہش نفسانی یا التزام ایک امام کی تقلید کا۔صورت اول میں یہ شخص مجتہد ہوا نہ کہ مقلد اور اگر اس میں شرائط مجتہد نہیں مگر مجتہد بنتا ہے تو اس کا حال ایسا ہے کہ "کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول

گیا۔" اور وجود مشروط بلاوجود شرائط لازم آیا۔ یہ بھی محال ہے۔ اور اگر وجہ ترجیح محض خواہش نفسانی ہے اور دین کو کھلونا بناتا ہے تو تلہی اور تلعب بالدین لازم آیا' جو شرعاً اور عقلاً ہر طرح باطل ہے اور اگر وجہ ترجیح یہ ہے کہ میں نے اس امام کی تقلید کا التزام کیا ہے تو تقلید شخصی ہوئی' غیر شخصی اور آوارگی نہ رہی۔

سوم : مجتہد کا استدلال عمل کے لئے یہ ہوتا ہے ھذا مظنونی مجتھدا۔ و کلما ھو مظنونی مجتھدا فھو حکم اللّٰہ فی حقی۔ صغریٰ وجدانیات سے ہے اور کبریٰ قطعیات اور سمعیات سے۔ اب غیر مجتہد دو حال سے خالی نہیں' یا تو وہ بھی اس طرح سے استدلال کرے گا و ھو خلاف المفروض کیونکہ مجتہد ہے ہی نہیں یا اس طرح استدلال کرے گا ھذا مظنون مجتھد ما و کلما ھو مظنون مجتھد ما فھو حکم اللہ فی حقی۔ صغریٰ مسلم ہے مگر کبریٰ باطل ہے۔ کیونکہ مستلزم محال ہے اور وہ تعدد حق ہے۔ یا وہ یوں استدلال کرے گا: ھذا مظنون مجتدی و کلما ھو مظنون مجتدی فھو حکم اللہ فی حقی۔ یہ تقلید شخصی ہے۔

چہارم : غیر مجتہد جمیع اقوال مجتہدین کو مساوی الترک والاخذ جانے گا تو تکلیف شرعی باطل ہوئی۔ ان شاء مَالَ اِلَی الحلال وان شاء مَالَ اِلَی الحرام واللازمُ باطلٌ۔ قال اللّٰہ تعالی: (وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى) فالملزوم باطلٌ۔ اگر مساوی الترک والاخذ نہ جانے گا تو التزام راجح کا کرکے تقلید شخصی کرے گا۔ و ھو المطلوب۔

سوال یازدھم :

اگر کسی کی نیت خواہش نفسانی کی نہ ہو' محض سہولت پسندی کے لئے کوئی نماز حنفی طریقے پر پڑھ کر کوئی شافعی طریقے پر پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

اگر ائمہ کے مذاہب کو اس طرح جمع کرے کہ تلفیق لازم آئے' مثلاً وضو کیا اس کے بعد خون نکل آیا۔ اس نے سہولت پسندی سے دوبارہ وضو نہ کیا کہ امام شافعی کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹا۔ پھر باجماعت نماز پڑھی اور امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی۔ اس کی نماز بالاتفاق باطل ہے۔ اگرچہ وجہ بطلان مختلف ہے احناف کے نزدیک' اس لئے کہ اس نے بے وضو نماز پڑھی۔ اس لئے نماز باطل ہے اور شوافع کے نزدیک اس لئے کہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ اور اس صورت میں بھی سوال دہم والے سارے اشکالات آئیں گے کہ ایک وقت ایک مذہب کو ترجیح کا منشاء کیا ہوگا؟ پھر اس کو سہولت پسندی کا نام دینا بھی سہولت کے معنی سے ہی ناواقفیت ہے۔ ایک مذہب کو پورے طریقے سے سمجھنا آسان ہے یا چاروں مذاہب کو یاد کرنا۔ سہولت تو ایک مذہب پر عمل کرنے میں ہے۔ پھر آخر یہ سہولت آپ کو نماز میں ہی کیوں یاد آتی ہے۔ ساتوں قراءتوں میں ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر نماز میں ایک آیت ساتوں قراءتوں پر پڑھ لی جائے یا ایک رکعت میں ایک قراءت' دوسری میں دوسری' کیا یہ سہولت ہوگی؟ اور یہی سہولت آپ کو علاج میں کیوں یاد نہیں آتی کہ ایک ہی بیماری کا ایک نسخہ یونانی لے لیا' دوسرا ایلو پیتھی' تیسرا ہومیو پیتھی۔ پھر ہر خوراک میں تینوں نسخوں کو ملالیا یا صبح ایک نسخہ استعمال کیا' دوپہر دوسرا' سہ پہر تیسرا' اور کیا اس کو سہولت پسندی کہا جائے گا یا علاج سے مذاق کا نام دیا جائے گا؟ جب آپ تقلید ہی کرنا چاہتے ہیں تو کتاب وسنت نے آپ پر تقلید کو لازم قرار دیا' لیکن قرآن وحدیث نے نہ یہ لازم کیا ہے کہ ایک ہی کی تقلید کرو اور نہ اس کو حرام قرار دے کر یہ لازم کیا ہے کہ ہر نماز میں نیا امام بدلو۔ ہاں اجماع امت نے انتظام امت کے لئے اور خواہش نفسانی اور دین کو کھیل بنانے اور امت کو فتنہ سے بچانے کے لئے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا ہے' تو آپ اس واجب کے تارک بن کر گنہگار کیوں ہوتے ہیں؟